ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

45

www.tanzeem.org

28 ذوالقعدہ تا 5 ذوالحجہ 1430ھ / 17 تا 23 نومبر 2009ء

اس شمارے میں

اندھیر نگری چوپٹ راج

فتنہ دجالیت کا ایک مظہر: مادہ پرستی

رفقاءِ تنظیم کے نام امیر تنظیم کا پیغام

وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

اب کہانی نہیں بنتی!

بڑوں کا ادب واحترام

عیدالاضحیٰ: اسوۂ ابراہیمی کی یاددہانی

اُمت مسلمہ کے اندرونی اختلافات

تنظیمی سرگرمیاں

قدرتی نعمتیں اور انسان کی ناشکری

انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا، اُس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا۔ آپ گنگا کے کنارے بستے ہیں، اس لیے آپ کے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے، لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو آپ کو معلوم ہو جائے، اُس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے؟ یہی حال فطرت کے فیضانِ حال کا بھی ہے۔ اُس کے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز آپ کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں، اس لیے آپ کو اِن کی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے، اس لیے تم بستر سے سر اُٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی رہتی ہے، اس لیے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو۔ لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت آپ کی نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں یا آپ میں اُن کے نظارہ و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی تو غور کریں، اس وقت آپ کے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے، کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھیں، جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے، کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھیں جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے۔ وہ بتائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ، راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے، ایک اندھا جو پیدائشی اندھا نہ تھا، آپ کو بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و چمن کی بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابلِ برداشت مصیبت ہے؟

خُدا کی ہستی

مولانا ابوالکلام آزاد

سورۃ الاعراف

(آیات:197تا202)

الھدیٰ (396)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ ﴾

”اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمہاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو سن نہ سکیں اور تم اُنہیں دیکھتے ہو کہ (بہ ظاہر) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے۔ (اے محمدؐ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ پرہیزگار ہیں، جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پھر (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکار رہے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ تو اپنی جان بھی نہیں بچا سکیں گے۔ اور اگر تم حصول ہدایت کی غرض سے ان کو پکارو تو وہ تو سنتے ہی نہیں، تمہاری راہ نمائی کیسے کر سکتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ دیکھتے بھی نہیں۔

یہاں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ اے نبیؐ! عفو و درگزر سے کام لیجئے۔ آپ ان کے ساتھ زیادہ بحث و مباحثہ میں نہ پڑیے۔ بس آپ بھلی بات کا حکم دیتے رہیے۔ آپ کا کام دعوت دینا ہے، اور جو آپ سے الجھنا چاہیں آپ اُن سے اعراض کیجئے۔ سورۃ الفرقان میں ہے کہ ﴿اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما﴾ اللہ کے نیک بندوں کی حقیقت یہ ہے کہ جب اُن سے جاہل الجھنا چاہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔ وہ جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے۔ ان الفاظ میں ایک داعی کے لیے روشن تعلیمات آ گئی ہیں۔ فرمایا معاف کرتے رہئے اور بھلی بات کا حکم دیتے رہئے اور جو کجی میں پڑنا چاہیں جذبات کی رو میں بہ کر اشتعال میں آ جائیں، اُن سے اعراض کیجئے۔ ہاں کبھی آپ کو اُن کی نامعقول باتوں پر بربناء بشری غصہ آ جائے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔ یقیناً وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ غزوۂ اُحد میں آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے ”کیسے اللہ ہدایت دے گا، اس قوم کو جس نے اپنے نبیؐ کے چہرے کو خون سے رنگ دیا“ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا: ﴿لیس لك من الامر شی﴾ (آل عمران:128) اے نبیؐ آپ کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہیں“ ہدایت اور ضلالت کا اختیار تو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

بیشک تقویٰ شعار لوگوں کی روش یہی ہوتی ہے کہ جب اُن پر شیطان کے کسی سائے کا گزر ہوتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور ہوش میں آ جاتے ہیں کہ یہ کیا ہوا، ہم پر یہ کیسی غفلت طاری ہو گئی۔ جیسے خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ”میرے دل پر بھی کبھی کبھی حجاب سا آ جاتا ہے اور میں روزانہ ستر ستر مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔“ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے دل کا حجاب بالکل اور شے ہے اور رسول اللہ کے قلب مبارک پر حجاب بالکل اور ہے۔ آپؐ کے دل کا حجاب ہماری لاکھوں حضوریوں سے بڑھ کر ہے مگر یہ اللہ کے ساتھ تعلق کی Intensity ہے کہ اُس میں ذرا سی کمی کو حضورؐ اپنے دل پر حجاب سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ بجلی آ رہی ہو، پیچھے سے پاور میں ذرا سی کمی آ جائے تو اندھیرا سا محسوس ہو گا، حالانکہ روشنی تو ہے، صرف تھوڑی سی کمی ہوئی ہے۔ اندھیرا تو نہیں ہوا۔ تو جب تقویٰ شعار لوگوں پر شیطان کے سایہ کا گزر ہوتا ہے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ انہیں حقائق نظر آنے لگتے ہیں۔ وقتی سا جو سایہ پڑ گیا تھا اُس سے وہ فوراً نکل آئے ہیں۔ البتہ جو شیطانوں کے بھائی ہیں ان کو شیطان خوب گھسیٹتے ہیں۔ وہ انہیں کجی کے اندر گھسیٹتے ہوئے دور تک لے جاتے ہیں، جیسے بلعم بن باعوراء کو ضلالت کی آخری حد تک پہنچا کر دم لیا۔ جو شیطانوں کے ولی ہوں گے اُن پر تو شیطان کا زور چلے گا، لیکن جو اللہ کے بندے ہیں اُن پر شیطان کا کچھ اختیار نہیں۔ وہ تو دل پر ذرا سا سایہ محسوس کریں گے تو vigilant ہو جائیں گے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

فرمانِ نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جود و سخا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:((مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مَلَكَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا)) (متفق علیہ)

”حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر صبح کو دو فرشتے اُترتے ہیں ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخیل کو تباہ و برباد کر۔“

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 18 | 28 ذوالقعدہ تا 5 ذوالحجہ 1430ھ / 17 تا 23 نومبر 2009ء | شمارہ 45

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 03-5869501 فیکس: 5834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا----------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

اندھیر نگری چوپٹ راج

انگریزی کا ایک مقولہ ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں کیا جا سکتا ہے کہ جب تمہاری دولت کھو جائے تو سمجھو کچھ نہیں کھویا اور جب صحت کھو جائے تو سمجھو کچھ کھو گیا ہے اور جب تم کردار کھو بیٹھو تو سمجھو سب کچھ کھو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی قوم کردار کھو چکی ہے۔ اخلاقیات کا جنازہ اُٹھ چکا ہے۔ اسلامی روایات اور اقدار تو بہت دور کی بات ہے ہم اُن عام انسانی اقدار سے بھی محروم ہو چکے ہیں جو دوسری اقوام میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور اُن معاشروں کا جزوِ لازم ہیں جنہیں ہمارے ہاں مادر پدر آزاد معاشرے کہا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں جتنا کوئی بلند مقام رکھتا ہے یا حکومتی سطح پر اعلیٰ عہدہ پر براجمان ہے اُس میں کردار کا اتنا ہی فقدان ہے اور وہ اخلاقی لحاظ سے اتنا ہی زیادہ پستی کی طرف مائل ہے۔ افسرانِ بالا کی اکثریت تو اُس نفسیاتی مرض کی شکار نظر آتی ہے جس میں مبتلا شخص دوسروں کو تکلیف اور دکھ پہنچا کر بلکہ ٹارچر کر کے خوشی اور سکون محسوس کرتا ہے۔ اچھے بھلے کام میں روڑے اٹکانا اور سیدھے سادھے کام میں بھی کج روی اختیار کرنا اور خواہ مخواہ پیچیدہ بنا دینا اُن کا مشغلہ ہے۔

تنظیم اسلامی نومبر کے وسط میں بہاولپور میں سالانہ اجتماع اپنی اُس اراضی پر منعقد کرنا چاہتی تھی جسے حال ہی میں محض سالانہ اجتماع کے انعقاد کے لیے خریدا گیا تھا۔ اکتوبر میں متعلقہ محکمہ جات کو اس کی باقاعدہ اطلاع کر دی گئی۔ نومبر کے آغاز میں اجتماع سے چند روز پہلے لوکل انتظامیہ کی طرف سے تنظیم کی قیادت کو مشورہ دیا گیا کہ ملکی حالات اچھے نہیں ہیں، دھماکے ہو رہے ہیں، لہٰذا اجتماع کے انعقاد کے فیصلہ پر نظر ثانی کر لی جائے۔ سیکیورٹی وجوہات کی بنا پر اسے فرینڈلی مشورہ کا نام دیا گیا۔ تنظیم کی قیادت کی طرف سے موقف اختیار کیا گیا کہ ہم پرائیویٹ سیکیورٹی کا انتظام کر لیں گے، ویسے بھی کوئی جلسہ عام نہیں صرف رفقاء تنظیم یا اُن کے قریبی احباب شرکت کر رہے ہیں لہٰذا سیکیورٹی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن کسی بھی سطح پر حکومت کی طرف سے اجتماع منعقد نہ کرنے کا حکم صادر نہ کیا گیا۔ ظاہر ہے تنظیم کی قیادت حکومتی مشورے کو لازماً قبول کرنے کی پابند نہ تھی۔ لیکن صرف دو دن پہلے جبکہ اجتماع کے انعقاد کے حوالہ سے ابتدائی کام شروع ہو چکا تھا اور تنظیمی ورکرز کی مختلف ٹیمیں موقعہ پر اپنے فرائض ادا کر رہی تھیں، اُس وقت تنظیم کی قیادت کو ایس ایس پی کا حکم ملا کہ اگر آپ نے یہ اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی تو ہم ایکشن لیں گے۔ اس پر مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ انتظامیہ کو بتایا گیا کہ لوگ ٹکٹ حاصل کر چکے ہیں، دور دراز کے علاقوں سے رفقاء سفر کا آغاز کرنے کو ہیں، اب ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہر ہر ساتھی تک اجتماع کی تنسیخ کا فیصلہ پہنچا سکیں، ہم آپ کو ہر قسم کے امن و امان کے قیام کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ لیکن اُنہوں نے ایک نہ سنی۔ اِس دوران جو وقت ضائع ہو گیا۔ ایسے میں رفقاء تنظیم کے قافلے ملک کے کونہ کونہ سے بہاولپور کی طرف چل پڑے۔ صوبہ کی اعلیٰ ترین قیادت سے بھی ٹیلی فونک رابطہ ہو گیا، اُنہوں نے مکمل تعاون کا یقین دلایا، لیکن حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اپنی ہی افسر شاہی کے سامنے بے بس ہو گئے۔ مقامی انتظامیہ نے بار بار کی درخواست کے باوجود کوئی تعاون کرنے کی بجائے اجتماع گاہ کی طرف جانے والے راستے بھی بند کر دیئے جس سے رفقاء تنظیم کو شدید تکلیف اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ انتظامیہ کا انتہائی گھناؤنا کردار اُس وقت سامنے آیا جب عین موقعہ پر یہ انکشاف ہوا کہ انتظامیہ نے 27 اکتوبر کو اپنی میٹنگ میں فیصلہ کیا تھا کہ تنظیم اسلامی کو سالانہ اجتماع کے انعقاد کی اجازت نہیں دی جائے گی، لیکن اس فیصلہ کو خفیہ رکھا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سِول حکومت ہو یا مارشل لاء، صدارتی نظام ہو یا این آر او سے مزین پارلیمانی نظام، ہمارے حکمران عوام کو انسان نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے کتوں کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کمروں کی تعمیر میں مصروف رہتے ہیں، اُن کے علاج کے لیے یورپ سے سرکاری خزانوں سے رقم خرچ کر کے دوائیاں منگوائی جاتی ہیں، لیکن انسانوں کی فلاح کے لیے نہ اِن کے پاس وسائل بچتے ہیں نہ اُن کے مسائل پر توجہ دینے کے لیے اُن کے پاس وقت ہے۔ اور انسانی فوز و فلاح کے لیے اگر کوئی اور کام کرنا چاہے تو اِن کا کام ہے اُس کی راہیں مسدود کرنا اور رکاوٹیں کھڑی کرنا۔ اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ بہرحال اِس موقعہ پر رفقاء تنظیم نے جس مثالی نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور قیادت نے باہمی مشاورت سے بہترین حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے معاملات کو ڈیل کیا وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ ہم اس پر اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں کیونکہ یہ اِسی کے فضل و کرم اور توفیق سے ممکن تھا۔ رفقاء تنظیم کو مشتعل نہیں ہونا، اُنہیں فی الحال صبرِ محض سے کام لینا ہے اور اسلامی انقلاب کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز تر کرنا ہوگا۔ اس غصہ اور جذبہ کو دعوتی کام کی طرف منتقل کریں، تنظیمی قوت میں اضافہ کریں، بگڑے تگڑوں کا علاج قوت کی فراہمی سے ہی ممکن ہے۔ اسلامی انقلاب ہی بہترین انتقام ہوگا۔ لیکن اگر ہم اپنی قوت میں اضافہ نہیں کرتے تو گویا ہم خود کو اسلام دشمن قوتوں کے سامنے نرم چارہ کی حیثیت سے پیش کرتے رہیں گے اور وہ ہمیں اپنے نت نئے احکامات سناتے رہیں گے۔ آج اگر رفقاء تنظیم کی تعداد چند ہزار کی بجائے چند لاکھ ہوتی اور وہ پُرعزم ہوتے تو حکومتی کارندوں کی کیا مجال تھی کہ ہمارا راستہ روکتے۔ جوں جوں ہمارے قافلے بہاول پور اجتماع گاہ کی طرف بڑھتے راستے میں رکھے ہوئے کنٹینرز برف کی مانند پگھلنے لگتے۔ اس حادثہ فاجعہ پر ہر رفیقِ تنظیم عہد کرے کہ میں اس نظامِ باطل سے ٹکرانے کے لیے قوت فراہم کروں گا۔ قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اور یہ دریا بالآخر نظامِ باطل کو تنکے کی طرح بہا لے جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ لہٰذا فیصلہ رفقاءِ تنظیم کو کرنا ہے کہ آئندہ سالانہ اجتماع ہوگا یا نہیں۔ اور یہ کام اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم سب دل کو شکم پر ترجیح دینے کا فیصلہ نہ کر لیں۔ OO

سالانہ اجتماع کی تنسیخ ..... لمحہ بہ لمحہ کہانی

9/10/2009 ❖ کو سالانہ اجتماع کے انعقاد کی متعلقہ محکمہ کو اطلاع دی گئی۔

20/10/2009❖ کو مقامی انتظامیہ نے پہلی بار رابطہ کیا اور صرف بعض معلومات حاصل کیں۔

مختلف دنوں میں ٹیلی فونک رابطے کیے اور حالات کی سنگینی کے حوالہ سے اجتماع منعقد نہ کرنے کا مشورہ دیا، ہر مرتبہ اُنہیں مناسب جواب دیا گیا۔ پولیس نے تعمیرات روکنے کا زبانی کہا جس پر اُنہیں جواب دیا گیا کہ یہ مسئلہ آپ سے متعلقہ نہیں ہے۔

12/11/2009❖ کو T.M.O کی طرف سے تحریری طور پر نوٹس دیا گیا کہ مسجد یا مدرسہ تعمیر نہ کیا جائے، جس پر بتا دیا گیا کہ نہ مسجد تعمیر ہوگی نہ مدرسہ بنے گا اور نوٹس وصول کر لیا گیا۔

13/11/2009 ❖ بروز جمعۃ المبارک D.C.O نے رابطہ کیا اور بعد نماز جمعہ مذاکرات ہوئے۔ فریقین نے اپنا اپنا موقف بیان کیا۔ انتظامیہ نے اجتماع نہ کرنے کا کوئی حتمی فیصلہ نہ دیا۔

14/11/2009❖ بعد نماز ظہر امیر تنظیم حافظ عاکف سعید لاہور سے روانہ ہوئے، راستے میں بھی اُنہیں تمام صورت حال اور مذاکرات سے آگاہ رکھا گیا۔ تنظیمی ذمہ داران سے ہونے والی مشاورت کو اُن تک پہنچا کر اُن سے احکامات لیے جاتے رہے۔

D.C.O نے ناظم اعلیٰ سے پوچھا کہ اجتماع کے انعقاد کے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ اِسے منسوخ کرنا مشکل ہے۔

14/11/2009❖ بعد نماز عصر D.P.O نے رابطہ کیا اور اجتماع کی اجازت نہ دینے کا اپنا فیصلہ سنایا اور واضح کیا کہ انتظامیہ قانون کے دائرے میں کارروائی کرے گی۔ اس پر اُن سے دوبارہ بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔ جس پر اُس نے کہا کہ میں وہاں خود آتا ہوں۔

D.P.O موقعہ پر آیا اُسے ساری صورتِ حال بتائی گئی اور سیکیورٹی کے حوالہ سے اُس کی تسلی کرانے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا کہ میں واپس جاتا ہوں اور فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعد نماز مغرب D.S.P آیا اور اُس نے D.P.O کا پیغام دیا کہ اجتماع کے انعقاد کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

جس پرائیویٹ سیکیورٹی کا تنظیم اسلامی نے انتظام کیا ہوا تھا، D.P.O نے اُسے حکماً وہاں سے واپس بھجوا دیا اور کہا کہ ہم ابھی تنظیم کے خلاف ایکشن لے رہے ہیں، آپ چلے جائیں وگرنہ آپ بھی اِس ایکشن کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

14/11/2009❖ اجتماع گاہ کی طرف جانے والے راستے بند کر دیے گئے۔

نوٹ: اس مرحلے تک بھی باہمی مشاورت کے نتیجے میں امیر تنظیم کا فیصلہ یہی تھا کہ تمام رفقاء حسب پروگرام اجتماع گاہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انتظامیہ رکاوٹ ڈالے وہاں نظم سے رابطہ کر کے اپنا لائحہ عمل متعین کریں اور اگر نظم کی طرف سے واپس جانے کا حکم ملے تو منظم انداز میں واپس جائیں۔

14/11/2009❖ بعد نماز مغرب وزیر اعلیٰ پنجاب سے بانی محترم کا رابطہ ہوا اور اُن تک اپنی شکایت رجسٹر کروائی۔ انہوں نے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

14/11/2009❖ بعد نماز عشاء چیف سیکرٹری پنجاب نے رابطہ کیا اور بعض تاویلات پیش کیں اور وزیر اعلیٰ کی طرف سے بانی محترم سے درخواست کی کہ آپ اجتماع منسوخ کر دیں۔

14/11/2009❖ بعد نماز عشاء کمشنر بہاولپور نے رابطہ کیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔

14/11/2009❖ رات 9 بجے کے بعد امیر تنظیم نے مشاورت کے بعد اجتماع منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا۔

15/11/2009❖ بعد نماز عصر امیر محترم، ناظم اعلیٰ اور مرکزی اُسرے کے دیگر ارکان، اور وہ دیگر رفقاء جو انتظامات کی خاطر دو دن قبل تشریف لائے تھے، اجتماع گاہ سے واپس روانہ ہوئے۔

فتنہ دجالیت کا ایک مظہر: مادہ پرستی

سورۃ الکہف کی آیات 33 تا 41 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 12 اکتوبر 2009ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الکہف کی آیات 33 تا 41 کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے جمعہ کو دجالی فتنے کے ایک پہلو یعنی جھوٹ اور فریب کو حقیقت کے روپ میں پیش کرنے کی بابت گفتگو ہوئی تھی۔ دجالیت درحقیقت اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اور اِسے پروموٹ کرنے کا کام میڈیا انجام دے رہا ہے۔ دجل فریب کو کہتے ہیں۔ ایک اعتبار سے ہماری یہ زندگی بھی دھوکہ اور فریب ہے۔ اس لیے کہ بسا اوقات انسان دنیا کی رنگینیوں میں پڑ کر آخرت کی حقیقی زندگی کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس معانی میں قرآن حکیم میں کئی مقامات پر دنیا کی زندگی کو ''دھوکے کا سامان'' قرار دیا گیا ہے۔ دجالی فتنہ یہ ہے کہ واقعات کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ اصل حقائق لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں، اور انہیں پروپیگنڈے کے ذریعے فریب خوردہ کر دیا جائے۔ اس دور میں اس کی نمایاں مثال نائن الیون کا واقعہ ہے۔ پچھلی بار میں نے بتایا تھا کہ فنی اور تکنیکی اعتبار سے محض جہازوں کے ٹکرانے سے ٹوئن ٹاورز کا یکدم گرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ جس طور سے یہ جڑواں عمارتیں گری ہیں، اس سے واضح ہے کہ ان عمارتوں کے اندر خصوصی ایکسپلوسوفٹ کیے گئے تھے، جو ہائی رائزنگ بلڈنگز کو گرانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، تاکہ ملبہ اِدھر اُدھر نہ پھیلے اور ساری کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے۔ اس ضمن میں ایک بات جو پچھلی بار بیان ہونے سے رہ گئی تھی یہ ہے کہ گیارہ ستمبر ہی کو ٹوئن ٹاورز کے ساتھ ایک اور بلڈنگ (نمبر 7) بھی، جس کی پچاس منزلیں تھیں، گری۔ حالانکہ اُس کے ساتھ کوئی جہاز نہیں ٹکرایا۔ اس بلڈنگ کو گرانے سے قبل اِسے باقاعدہ خالی کرایا گیا — لیکن ٹوئن ٹاورز کے گرنے کے بعد جب اسامہ اور القاعدہ کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان اُٹھایا گیا تو عمارت نمبر 7 کے گرنے کا ذکر ہی پریس سے غائب کر دیا گیا، اور دنیا کو یہ تاثر دیا گیا کہ نائن الیون کو جو بھی عمارت گری، اُس میں القاعدہ ملوث ہے۔ صیہونیوں کے کنٹرولڈ میڈیا نے پوری مہارت سے اس شیطانی پروپیگنڈا کو عام کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف عالم کفر بلکہ خود امت مسلمہ نے بھی یہ باور کر لیا کہ ہاں یہ بہت بڑا جرم ہے جو اسامہ بن لادن اور القاعدہ سے سرزد ہوا ہے۔ اس جھوٹ اور اِس کی بنا پر ملنے والی عالمی حمایت کی وجہ سے امریکہ افغانستان کے خلاف اتحاد بنانے میں کامیاب ہوا، اور اُس نے افغانستان پر یلغار کر کے اُسے ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔

اب آیئے، دجالی فتنے کے ایک اور پہلو کی جانب!

دجالی فتنے کے ظہور کی ایک اور صورت مادی اور سائنسی ترقی کی وجہ سے انسان کا سارا توکل واعتماد اسباب پر ہو جانا ہے۔ آج کے انسان کا اللہ تعالیٰ پر جو مسبب الاسباب ہے، توکل اور بھروسہ ختم ہو گیا ہے اور اُس کا سارا توکل مادہ پر ہو گیا ہے۔ اِسی کا نام مادہ پرستی ہے، اور یہ اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں جو بھی واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ اسباب کے پردوں سے ہو کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک باقاعدہ نظام بنا رکھا ہے۔ اس نظام کو ہم قوانین فطرت (Laws of Nature) کہتے ہیں۔ لیکن آج کے انسان کا اصل المیہ یہ ہے کہ وہ قوانین فطرت سے آگے دیکھنے کو تیار نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ قوانین اٹل ہیں، اُن میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ دنیا میں سب کچھ انہی قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ ان قوانین کے پس پردہ کوئی برتر ہستی نہیں۔ یعنی اللہ کا حکم، اس کی مشیت کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے۔

اس دجالیت اور الحاد کے پس منظر میں احیائے علوم کی تحریک ہے، جو یورپ میں کلیسا کے ردعمل میں اُٹھی۔ پاپائیت کے نظام کے تحت علم حاصل کرنا، فلسفہ پڑھنا جرم تھا۔ لوگ مذہبی جبر اور انتہائی گھٹن کی فضا میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کلیسا نے تثلیث، ابنیت مسیح اور کفارہ جیسے غیر عقلی عقائد لوگوں پر جبراً مسلط کر رکھے تھے اور علم وتحقیق اور سائنسی ترقی کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ چنانچہ مذہب کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو گئی، اور لوگوں نے عیسائیت کے نام پر ناروا پابندیوں اور بندشوں کو توڑ ڈالا، اور آزادانہ فضا میں علم وتحقیق کی روایت جو اہل یورپ نے قرطبہ، غرناطہ کی مسلم یونیورسٹیوں سے پائی تھی، اُسے آگے بڑھایا۔ اور یوں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ کلیسا کے خلاف اہل سائنس کی نفرت کی فضا میں یورپ میں جو تہذیب اُٹھی، وہ خدا، آخرت اور روح کے تصورات سے یکسر خالی تھی۔ چنانچہ ایمانی حقائق کا مذاق اُڑایا گیا اور مذہب کی ہر چیز سے نفرت کی جانے لگی۔ یہ سب کچھ دراصل عیسائیت میں مذہبی طبقات کے پیدا کردہ بگاڑ، جبر اور ناروا پابندیوں کا ردعمل تھا۔ اسلام اس طرح کی کسی چیز کا روادار نہیں۔ اسلام نے علم وتحقیق کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی، بلکہ اس کی ترغیب دی ہے۔ ہمارا دین علم کو ترقی دینے والا دین ہے۔ وہ علم کے آگے روک نہیں لگاتا، بلکہ تحقیق وتسخیر کائنات کے در وا کرتا ہے۔ وہ سماعت، بصارت اور دل ودماغ کی روشنی سے استفادہ کی تعلیم دیتا ہے اور محض خیالی اور ظنی باتوں پر اپنے موقف کی بنیاد رکھنے سے منع کرتا ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔـوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

''اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ، کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں آنکھیں دی ہیں، سماعت وبصارت سے نوازا ہے، عقل دی ہے، دل عطا کیا ہے۔ ان سب کو بروئے کار لاؤ اور ان کی مدد سے علم کو آگے بڑھاؤ۔ یونہی اٹکل پچو پر اپنے موقف پر بنیاد نہ رکھو۔ اسلام کی اسی تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمانوں کے دورِ عروج میں سائنسی علوم کو ترقی دی گئی۔ مسلم سپین کی اسلامی یونیورسٹیوں میں سقراط، بقراط اور افلاطون کے فلسفے پڑھائے گئے۔ اس کے علاوہ سائنسی علوم کو ترویج دی گئی۔ سائنس کے استاد مسلمان تھے۔ یہیں سے سائنس یورپ گئی، ورنہ اس سے پہلے تو یورپ ''تاریک دور'' سے

گزر رہا تھا۔ بہر حال کلیسا کی طرح اسلام نے مسلمانوں پر سائنسی ترقی اور علم و تحقیق کے دروازے بند نہیں کیے اس کے باوجود مسلمانوں کے ایک خاص طبقے میں اسلام و مذہب سے جو دوری پیدا ہوئی، وہ اُس الحادی فکر کا نتیجہ تھی، جسے مذہب بیزار یورپی استعمار نے مسلم خطوں پر قبضے کے بعد یہاں پروان چڑھایا۔ یورپی استعمار کا اثر مسلمانوں پر ہوا۔ چنانچہ یہاں بھی خدا کا نام لینا دقیانوسیت، جہالت اور تنگ نظری کی علامت ٹھہرا۔ اسی پس منظر میں اکبر الہ آبادی نے یہ شعر کہا تھا ۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مذہب تو انسانی کو اقدار اور انسانی خدمت کا درس دیتا ہے۔ سائنسی ترقی بھی صحیح معنوں میں ترقی تب کہلا سکتی ہے جب اسے صرف انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ اہل مغرب جب کلیسا کے ردعمل میں مذہبی حدود و قیود سے آزاد ہو گئے تو وہ شیطان کے ایجنٹ بن گئے۔ چنانچہ سائنس و ٹیکنالوجی مذہب کے خلاف اور شیطانی راستوں پر ہی استعمال ہوئی۔ اس وقت یہ مادی ترقی دجالی فتنے کا روپ دھار چکی ہے، اس لیے کہ اس کے نتیجے میں آج کے انسان کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ اصل حقیقت ٹیکنالوجی کی ترقی اور اسباب ہیں۔ خود ہمارے پڑھے لکھے لوگ یہ کہہ رہے کہ اللہ کی مدد کی باتیں نہ کرو، اللہ کی مدد نہیں آئے گی، ہماری محافظ ہماری ایٹمی صلاحیت ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ایٹمی صلاحیت کے ہوتے ہوئے بھی ہم امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، جبکہ طالبانِ افغانستان بے سروسامانی کے عالم میں بھی امریکہ کے سامنے ڈٹ گئے اور اب تک نبرد آزما ہیں۔ دجالی فتنے کا مظہر یہ ہے کہ ہمارا ایمان اور توکل اللہ کی بجائے مادی اسباب پر ہو گیا ہے۔ اس حقیقت پر ہمارا یقین ہی نہیں رہا کہ دنیا میں اصل اختیار و اقتدار اللہ کا ہے۔ ہم اللہ کو بھلا کر امریکہ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اسی لیے اُسی کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ یہ معاملہ کسی ایک طبقے یا گروہ کا نہیں بحیثیت مجموعی پوری قوم کا ہے۔ سیاسی میدان کے پنڈتوں کے درمیان اگرچہ اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن یہ اختلافات دوسرے ایشوز پر ہیں، سیاسی مفادات کے حوالے سے ہیں، امریکہ کی غلامی پر یہ سب لوگ متفق ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

جیسا کہ واضح کیا گیا کہ مادہ پرستی اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ اس شرک کا ذکر قرآن حکیم میں باغ والوں کے قصے میں آیا ہے۔ یہ قصہ سورۃ الکہف میں بیان ہوا ہے۔ قرآن حکیم کا مقصود قصہ گوئی نہیں بلکہ سبق آموزی ہے۔ وہ قصص و واقعات کے ذریعے سادہ الفاظ اور دلچسپ پیرائے میں اصل حقیقت یعنی ہدایت سے انسان کو روشناس کرانا چاہتا ہے۔ باغ والوں کا یہ قصہ ہمارے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ آیئے، اس کا مطالعہ کریں۔ فرمایا:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾﴾
(الکہف)

”اور اُن سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور اُن کے ارد گرد کھجوروں کے درخت لگا دیے تھے اور اُن کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے۔ اور اُس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری رکھی تھی۔“

عربوں کے ہاں سرمایہ داری اور مالداری کا تصور یہ تھا کہ کسی آدمی کے پاس باغات ہوں۔ ظاہر ہے، سرزمین مکہ میں تو گھاس کا تنکا بھی نہیں اُگتا تھا۔ البتہ طائف میں جو پہاڑی علاقہ ہے، اور جو قدرے ٹھنڈا بھی ہے، وہاں سرداران قریش کے باغات ہوا کرتے تھے۔ یہاں اسی مناسبت سے ایک ایسے شخص کی مثال دی گئی جو سرمایہ دارانہ طبقے کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اس شخص کے پاس انگور کے دو باغات تھے، جنہیں کھجور کے درختوں نے گھیرا ہوا تھا، تاکہ لُو کے اثرات سے باغ کسی حد تک محفوظ رہیں۔ باغات میں انگور کے علاوہ دوسرے اناج اور سبزیاں بھی پیدا ہوتی تھیں اور یہ باغات بھرپور فصل بھی لاتے تھے۔ باغ والے کے ہر اعتبار سے وارے نیارے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے باغات میں آب پاشی کے لیے ایک نہر بھی جاری کر دی تھی، تاکہ کہیں اور سے پانی لانے کی ضرورت نہ رہے۔ آگے فرمایا:

﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾﴾

”اور (اس طرح) اس (شخص) کو (اُن کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال (و دولت) میں بھی زیادہ ہوں۔ اور جتھے (اور جماعت) کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں۔“

یعنی باغ والے نے اپنے ایک درویش دوست سے جو جو مال و اسباب سے تہی دست تھا، ہاں اُس کے پاس اللہ پر یقین و اعتماد کی دولت تھی، فخر و غرور سے کہا، دیکھو تم تو تہی دست ہو، میرے پاس تم سے دولت بھی زیادہ ہے، اور جتھے کے لحاظ سے بھی بڑھ کر ہوں۔

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ﴾

”اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔“

قرآن عزیز کہہ رہا ہے کہ جب باغ والا باغ میں داخل ہوا تو اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا تھا۔ ظلم کیوں؟ اس لیے کہ اللہ نے جو نعمت اُسے عطا کی تھی، اُس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ شکر بجالاتے ہوئے داخل ہوتا، مگر وہ سرمایہ دارانہ غرور، گھمنڈ اور دولت کے نشے میں چور تھا، اور اسباب خیر دیکھ کر نگاہیں انہی پر مذکور کر لیں، اور اللہ کو بھلا بیٹھا۔

﴿قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾﴾

”کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔“

یعنی میرا یہ باغ کبھی غارت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں سارے اسباب موجود ہیں۔ میں نے اس میں ہر طرح کا انتظام و انصرام کر رکھا ہے۔ باغ کے گرد کھجوروں کی حفاظتی آڑ بھی ہے، اور اندر نہر بھی جاری ہے، پھر باغ کیونکر تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔

اور مزید کہا:

﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾﴾

”اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔ اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔“

نوٹ کیجیے، یہ باغ والا سرمایہ دار شخص ملحد نہیں، وہ اللہ اور آخرت کا برملا انکار نہیں کر رہا لیکن اُس کا یقین و اعتماد اللہ پر نہیں۔ یقین دنیا اور اسباب دنیا پر ہے۔ اسی لیے تو پہلے یہ کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت بھی آئے گی لیکن ساتھ ہی یہ کہتا ہے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو مجھے وہاں اس سے بہتر ملے گا۔ دراصل ہر دور میں سرمایہ دارانہ ذہنیت یہی رہی ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، یہ میرا حق تھا، یہ میری محنت کا نتیجہ ہے اور جو لوگ مفلس ہیں، وہ اس لیے جوتیاں چٹخا رہے ہیں کہ انہوں نے محنت نہیں کی۔ پھر یہ کہ جب دنیا میں مجھے اتنا کچھ ملا ہے، تو آخرت میں تو اس سے

بھی بڑھ کر ملے گا۔ یہی ذہنیت آج ہمارے معاشرے میں سرمایہ دار طبقہ کی بھی ہے۔

باغ والے کے اس انداز اور جملوں پر اُس کے درویش دوست نے اُسے ٹوکا۔

﴿ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ ﴾

”تو اُس کا دوست جو اُس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اُس (اللہ) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

اور مزید کہا:

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ ﴾

”اور (بھلا) جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (یعنی جو کچھ اللہ چاہے، اللہ کے سوا کوئی قوت نہیں ہے) کیوں نہ کہا“

یعنی تمہیں چاہیے تو یہ تھا کہ جب تو باغ میں داخل ہوتا، تو ناشکری کی بجائے اللہ کا شکر بجالاتا اور ماشاء اللہ کہتا، تیرے دل میں یہ بات ہوتی کہ مجھے جو کچھ ملا ہے، یہ اللہ کا فضل اور عطا ہے، اور یہ کہ کائنات میں اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز ہستی نہیں ہے۔ کارساز اور مسبب الاسباب صرف اللہ کی ذات ہے۔ کسی کو صلاحیت ملتی ہے، تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ کسی کو نعمت حاصل ہوتی ہے، تو وہ بھی اللہ ہی کی دین ہوتی ہے۔ کسی کو مال و دولت ملتا ہے تو وہ بھی اللہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوئی بھی شے انسان کا اپنا کمال نہیں ہوتی۔ اور اللہ جو کچھ بھی دیتا ہے وہ امتحان و آزمائش کے لیے دیتا ہے۔ وہ انسان کو مال و اسباب اور قوت و اختیار دے کر آزماتا ہے کہ آیا میرا بندہ کفران نعمت کر کے فرعون بن کر دکھائے گا، یا ذوالقرنین کی طرح طاقت و قوت حاصل ہونے کے باوجود مجھ ہی پر توکل و اعتماد رکھے گا۔ آگے درویش نے کہا:

﴿ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ ﴾

”اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو، تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے، یا اُس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اُسے نہ لا سکو۔“

قرآن عزیز کہتا ہے، پھر ایسا ہی ہوا، اللہ نے آسمان سے آفت بھیجی اور وہ سارا باغ برباد ہو گیا۔ فرمایا:

﴿ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾

”اور اُس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اُس نے اس پر خرچ کیا تھا اُس پر (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا۔“

سرمایہ دار کا سب کچھ وہی باغ تھا۔ اُس نے اسی پر ساری سرمایہ کاری کی تھی اور اسی سے امیدیں وابستہ کی تھیں۔ جب وہ باغ غارت ہو گیا تو پھر اُسے ہوش آئی اور کف افسوس ملنے لگا۔

﴿ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ ﴾

”اور کہنے لگا کہ کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔“

دو افراد کے اس قصے میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ دنیا میں ہمیں جو کچھ بھی مل رہا ہے یا جو واقعات بھی پیش آتے ہیں، وہ اگرچہ اسباب کے پردوں سے ہو کر آتے ہیں، لیکن یہ اسباب خود نہیں بنتے، اسباب کو بنانے والا (مسبب الاسباب) اللہ ہے۔ لہٰذا بھروسہ و اعتماد اسباب پر نہیں، اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ ایمان یہ ہے کہ اسباب کے ہوتے ہوئے توکل و یقین اللہ پر ہو، اور اگر یقین اسباب پر ہے، خیال یہ ہے کہ میرے پاس تمام اسباب موجود ہیں، مجھے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا، جیسا کہ باغ والے نے باغ کے متعلق کہا تھا، تو یہ مادہ پرستی ہے۔ مادہ پرستانہ سوچ کا نتیجہ دنیا پرستی کی صورت میں نکلتا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اصل زندگی تو یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اگر آخرت قائم ہو بھی گئی تو مجھے بچا لیا جائے گا۔ دنیا میں اللہ نے مجھے زیادہ دیا۔ میرے اندر کوئی خوبی تھی، تب ہی میں اس کا مستحق ہوا۔ آخرت میں بھی یہی ہوگا، بلکہ وہاں مجھے اس سے بڑھ کر ملے گا۔ دراصل شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اِس طرح کی پٹیاں پڑھاتا ہے، تاکہ جہنم میں شیطان اکیلا داخل نہ ہو، اُس کا گروہ بھی اُس کے ساتھ ہو۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ باغ والے نے کیوں کہا کہ کاش میں اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا۔ اُس کا شرک کیا تھا؟ دیکھیے، توحید اس یقین کا نام ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے اذن سے ہو رہا ہے۔ انسان پر جو بھی حالات آتے ہیں اُس کے حکم سے آتے ہیں۔ اگر اُسے کوئی خیر ملتی ہے تو وہ اُس کی کاریگری اور اور ہنرمندی کا نتیجہ نہیں ہوتی، اللہ کی عطا ہوتی ہے۔ اور اللہ کی طرف سے کسی خیر کے ملنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اللہ اُس سے خوش اور راضی ہے، بلکہ یہ سب کچھ آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کسی کو خوشحالی عطا کر کے آزماتا ہے، کسی سے رزق چھین کر اُس کی آزمائش کرتا ہے۔ مال و دولت دے کر جو آزمائش کی جاتی ہے وہ اس اعتبار سے اور بھی زیادہ سخت ہوتی ہے، اس حالت میں انسان کے غافل ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اُس کے لیے اللہ کا شکر بجالانا اور صراط مستقیم پر قائم رہنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اصحاب دولت و ثروت زیادہ قابل رحم ہوتے ہیں کہ انہیں بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی بات حضور نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی کہ مجھے تمہارے (اپنی امت کے) حوالے سے فقر کا اندیشہ نہیں، مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ تم پر دنیا فراخ کر دی جائے گی اور تم اس امتحان میں ناکام ہو جاؤ گے۔

انسان کوتاہ نظر ہے۔ اُس کا المیہ یہ ہے کہ جب اُسے ظاہری اسباب میسر آ جاتے ہیں تو اُس کا توکل و اعتماد بھی انہی پر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اُس کا یقین کمزور ہو جاتا ہے۔ آج نہ صرف انفرادی بلکہ قومی سطح پر بھی ہماری یہی سوچ ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اگر ہمارے پاس اسلحی قوت ہے، تو ہم دشمن کے مقابلے میں کامیاب ہوں گے، اور اسلحہ کے ہوتے ہوئے کسی اور طاقت کی مدد و نصرت کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے اسباب اور اسلحی و مادی قوت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ درحقیقت اسی سوچ نے ہمیں امریکی غلامی کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ اس لیے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ اسلحی قوت میں ہم امریکہ سے پیچھے ہیں۔ امریکا کا کل روئے ارضی پر حکم چلتا ہے (نعوذ باللہ)۔ یہاں اللہ کا اقتدار و اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا ہماری بھلائی اِسی میں ہے کہ امریکہ کی غلامی اختیار کریں، اور اُس کے ڈکٹیشن کے مطابق قومی زندگی کی صورت گری کریں۔ یاد رکھیے، جب تک ہم اس مادہ پرستانہ سوچ سے پیچھا نہیں چھڑائیں گے، اور اللہ کے ساتھ توکل و اعتماد کا رشتہ مضبوط نہیں کریں گے، تب تک ذلت و رسوائی سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

سالانہ اجتماع کی افسوسناک منسوخی: رفقاءِ تنظیم کے نام امیر تنظیم کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفقاءِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ، امّا بعد

سالانہ اجتماع کی بالکل آخری وقت پر منسوخی بلاشبہ ہم سب کے لیے ایک سانحے سے کم نہیں، بالخصوص اُن ساتھیوں کے لیے جنہوں نے اس میں شرکت کا نہ صرف پختہ عزم کیا بلکہ اس کے لیے بھرپور عملی تیاری بھی کر رکھی تھی۔ بعض ساتھی اجتماع کی منسوخی کا فیصلہ آنے سے قبل بہاولپور کے ارادے سے رختِ سفر باندھ چکے تھے اور سفر کا کچھ نہ کچھ حصہ طے کر بھی چکے تھے۔ پھر ہمارے ساتھیوں میں وہ باہمت بھی تھے جو اجتماع سے دو تین روز قبل اجتماع گاہ کی تیاری کے لیے خدمت گار کے طور پر بہاولپور پہنچ چکے تھے۔ ان میں لاہور اور ملتان کے رفقاء کی اکثریت تھی۔ ان کی شبانہ روز کی محنت و کاوش کے نتیجے میں بہاولپور میں دریائے ستلج کی گزرگاہ سے متصل بے آب و گیاہ قطعہ اراضی، 14 نومبر کی شام، جب راقم بہاولپور پہنچا تو ایک ایسی وسیع و عریض اور شاندار اجتماع گاہ کا نقشہ پیش کر رہی تھی جو گویا ان بندگانِ خدا کا خیر مقدم کرنے کے لیے بے تاب تھی جن کا اصل نصب العین اپنے رب کی رضا کا حصول قرار پایا تھا —— تاہم اجتماع کی منسوخی جہاں ہم سب کے لیے ایک سانحے کا درجہ رکھتی ہے، وہیں ہمارے لیے ایک تنظیمی امتحان اور اپنی تربیت کا ذریعہ بھی ہے —— جہاں تک منسوخی کے فیصلے کے پس منظر کا تعلق ہے اس کی کسی قدر تفصیل زمانی ترتیب کے ساتھ ''ندائے خلافت'' کے تازہ شمارے میں شائع کر دی گئی ہے، یہاں اس حوالے سے صرف اسی قدر عرض کرنا کافی ہوگا کہ انتظامیہ کی طرف سے ابتداءً اجتماع منعقد نہ کرنے کے ناصحانہ مشورے سے لے کر اُن کے اجازت نہ دینے کے حتمی فیصلے کے اعلان اور اس کے عملی ثبوت کے طور پر اجتماع گاہ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے اور پولیس کی بھاری نفری متعین کرنے کے عملی اقدامات، اور پھر ٹیلی فون پر چیف منسٹر کی بانی محترم سے منسوخیٔ اجتماع کی درخواست تک، ہر ہر مرحلے پر بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف مرکزی اُسرہ کی سطح پر بلکہ چاروں Zones کے ذمہ داروں سے بھی ہنگامی مشاورت کا اہتمام کیا گیا اور ہر ہر قدم پر فیصلہ، اللہ سے خیر کی دعا مانگتے ہوئے (دعائے استخارہ) اور مذکورہ ساتھیوں کے مشوروں کی روشنی ہی میں کیا گیا۔

رفقاءِ محترم! ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تنظیموں کی تاریخ میں ایسے حوادث و واقعات غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں اُس لازمی آزمائش کا حصہ ہیں جن کی خبر سورۃ البقرہ میں اُمت مسلمہ کی تشکیل اور شہادت علی الناس کی ذمہ داری کے تعین کے فوراً بعد سنا دی گئی تھی: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾ گویا ہماری محنتوں اور ان کے نتائج کے نقصان کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ ہماری آزمائش فرماتے ہیں —— لیکن یہ بھی نہ بھولیے گا کہ یہ نقصان صرف ظاہری حوالے سے ہے جس کا تعلق صرف اس دنیا کے ظاہری پہلو سے ہے، آخرت کے حوالے سے سراسر نفع ہی نفع ہے —— یہ یقین دہانی بھی تو اُسی رب کریم کی جانب سے ہے کہ ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ یعنی اللہ رب العزت کسی بھی بندۂ مؤمن کی محنت کو ضائع کرنے والے نہیں۔ چنانچہ ہم میں سے جس ساتھی نے بھی اس اجتماع میں شرکت کے حوالے سے جو تیاری یا محنت کی اور جس انداز سے بھی جان و مال کا انفاق کیا، اُس کا پورا پورا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے —— بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ تمام ساتھی جو سفر کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں نہ صرف پورے اجتماع میں شرکت بلکہ دو طرفہ سفر کے اجر و ثواب سے بھی نوازیں گے۔ بلاشبہ اللہ جل شانہ کا دامن رحمت بہت وسیع ہے۔ اسی طرح وہ تمام ساتھی جنہوں نے اس اجتماع میں شرکت کا عزم کر رکھا تھا اور گھر سے نکلنے سے قبل ہی انہیں اجتماع کی منسوخی کی اطلاع موصول ہوگئی، وہ بھی ان شاء اللہ العزیز اجر و ثواب سے محروم نہیں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں گھر بیٹھے اجر عظیم سے نوازیں گے —— ہاں، ہمارے وہ ساتھی جو شرکت کا عزم و ارادہ بھی نہیں رکھتے تھے، وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہوں گے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ''ماشاء اللہ کان ومالم لشالم یکن'' یعنی

ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اور اگر وہی نہ چاہے تو (خواہ ہم لاکھ کوشش کریں) کچھ نہیں ہو سکتا —— اور یہ کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ وہ کسی ظاہری شر سے بھی خیر برآمد کر دے۔ چنانچہ اگر ہم نے یہ سب کچھ خلوص و اخلاص کے ساتھ، اللہ ہی سے مدد مانگتے ہوئے، جس انقلابی مرحلہ سے تنظیم گزر رہی ہے اس کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور باہمی مشاورت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کیا ہے —— اور الحمدللہ کہ ایسا ہی ہے —— تو ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ظاہری شر سے بھی ہماری تحریک و تنظیم کے لحاظ سے خیر برآمد فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ

آخر میں، میری گزارش ہر ساتھی سے ہوگی کہ اس ظاہری سانحے کا نتیجہ اگر ہمت شکنی کی صورت میں نکلا تو یہ اس امتحان میں ہماری ناکامی کا ثبوت ہوگا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس کے بعد غلبہ و اقامت دین کے لیے ہمارے جذبہ و عمل میں مزید اضافہ ہو۔ اس باطل نظام کو بدلنے کی خاطر دعوت کے کام کو اب کئی گنا زیادہ کرنا ہوگا۔ دعوت کے نتیجے میں ہی ہمیں توقع ہے کہ اللہ کی نصرت سے یہ کام پھیلے گا اور پھر اللہ جلد وہ وقت بھی لائے کہ ہم "صبر محض" سے اگلے مرحلے میں داخل ہوں اور باطل نظام کو چیلنج کرنے اور باطل کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے قوت کے ساتھ میدان عمل میں داخل ہوں۔ **اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا** —— دعوت کے بھرپور کام کے ساتھ ساتھ ہمیں ذاتی اصلاح اور تعلق مع اللہ کے تقاضوں کی طرف بھی توجہ دینا ہوگی اور خود کو آئندہ آنے والے سخت تر حالات میں صبر و مصابرت کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنا ہوگا۔

(نوٹ: گزشتہ سالانہ اجتماع کے اختتامی خطاب میں راقم نے رفقاءِ تنظیم کو جو خصوصی اہداف دیے تھے از راہِ کرم اس سال ان پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کا اہتمام کریں)

والسلام

احقر عاکف سعید

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

ڈاکٹر نذیر شہید کی ایک فکر انگیز تقریر جو رفقاءِ تنظیم کو فکر و عمل کا پیغام دیتی ہے

حضرات ...... میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حق کے جھنڈے کو بلند کرنے والے ہیں۔ قرآن پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ اسلامی اور اس کی راہ و منزل نہایت واضح، درخشندہ اور صاف ہے۔ اس کی ہر آیت پکار پکار کر کہتی ہے کہ میں فلاں مقام اور فلاں رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہوں۔

دین حق کے مقدس جانبازوں کی ہدایت کے لیے قرآن پاک پہلے لوگوں کی مثالیں دیتا ہے۔ اگر تحریک اسلام کو کچھ کامیابی نصیب ہو تو مجاہدین تحریکِ اسلامی کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہ ہو کہ انہوں نے کوئی معرکہ مارا ہے --- ایسے موقع پر فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ قوتِ بازو کی بجائے اللہ کی نصرت پر بھروسہ کرو۔ اس طرح گویا انگلی پکڑ کر اس مقدس کارواں کو چلایا جاتا ہے۔ آج آپ اسی مقدس کارواں کی مقدس راہوں کے امین ہیں۔

اس راہ میں سب سے پہلی چیز جو مطلوب ہے وہ ہے طلب صادق اور رجوع الی اللہ —— یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو کسی کو یہ پکارنے پر مجبور کرتی ہیں —— ھٰذا ربی —— ھٰذا اکبر ——" یہ طلب صادق ہی ہے کہ ایک انسان ستوؤں کی پوٹلی لے کر غارِ حرا میں کسی چیز کی تلاش و جستجو میں بے قرار ہے اور یہ طلب صادق اور رجوع الی اللہ ہی ہے کہ اس مردِ حق نے یکساں محبت کے ساتھ ایک ایک دروازے پر دستک دی اور طلب صادق ہی تھی جسے قبول کرنے والا صدیق کہلایا۔ اور دوسری طرف طلب صادق سے محروم رہنے والا —— کہنے لگا کہ بنو ہاشم سے ہمارا مقابلہ تھا، شریکے بازی تھی، ایک مدت کے بعد آج برابر ہوئے کہ ایک نے نبوت کا دعویٰ کر دیا، ہم تو نہ مانیں گے۔ طلب صادق نہ تھی۔ دل نہ کھل سکا اور ابوجہل کہلایا۔

خوب غور و فکر کر لو کہ اس راہ پر چلنا ہے اور ضرور چلنا ہے تو اپنے اندر چند خصوصیات لازماً پیدا کرنا ہوں گی اور ان میں سے سب سے پہلی خصوصیت طلب صادق اور اللہ کی طرف رجوع ہے، تبھی راستہ کھلے گا۔ پھر ہی توفیق ملے گی۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے ارد گرد لاکھوں آدمی بستے ہیں جن کے لیے نماز پڑھنا، روزے رکھنا بہت مشکل ہے اور آپ کے لیے آسان ہے۔ آپ میں طلب صادق پائی گئی تو یہ کام آپ کے لیے آسان کر دیے گئے۔ جس طرح نماز پڑھنا آسان ہے اسی طرح دین کے دوسرے تقاضے پورے کرنا بھی آسان ہے بشرطیکہ ان کے لیے بھی طلب صادق ہو۔ دین کے جن شعبوں کے لیے طلب صادق نہیں وہی مشکل محسوس ہوتے ہیں۔ جن کے لیے طلب صادق ہمہ گیر تھی وہاں باپ بیٹے کو کہتا ہے کہ مجھے اللہ کے راستے میں قربان ہونے دو —— بیٹا باپ کو کہتا ہے کہ مجھے شہادت درکار ہے مجھے جانے دو۔ وہاں باپ بیٹا جھگڑ رہے ہیں شہادت کے لیے —— اور ہم ایک دوسرے کو مطمئن کرتے ہیں گریز کرنے کے لیے۔ ان کے لیے جتنا نماز کے لیے سر جھکانا آسان تھا اتنا ہی راہِ حق میں سر کٹانا آسان تھا۔ دین کی راہ —— کوئی مشکل راہ نہیں —— البتہ اگر طلب صادق نہیں اور رجوع الی اللہ نہیں، تو پھر توفیق بھی نہیں۔ نتیجتاً راہِ حق میں ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا۔

راہِ حق کے مسافر اور داعیٔ حق کے لیے دوسری خصوصیت مقصد زندگی کا شعور ہے۔ آپ کو اپنے مقصدِ زندگی کا واضح تصور ہو۔ راہِ منزل تصویر کی طرح عیاں ہو۔ جیسے ایک مسافر کے لیے کسی مقام سے لاہور جانے کے لیے منزل کا تعین ہونا، اس کے لیے اطمینان کا سبب ہے، نہ خود فریب کھائے اور نہ کوئی دوسرا فریب دے سکے۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ مقصد کا شعور ہی تو تھا کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ اے ابوبکرؓ! کیا تجھے پتہ چلا کہ تیرا ساتھی کیا کہتا ہے، راتوں رات معراج

کرلی۔ جواب ملتا ہے کہ —— وہ جو کہتا ہے بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ یہ شعور مقصد ہی تھا کہ اُس کے پیچھے چلے، جس کو راہنما بنایا۔ اس کی بات قابلِ یقین سمجھی —— یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں کو دیکھا جائے۔ ان میں عالم بھی تھے، ان پڑھ مزدور بھی تھے لیکن حال یہ تھا کہ

> وہ مکان بنائے ہی کیوں جائیں جو راہِ حق کا راستہ روک سکیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی تعمیرات کے نمونوں پر غور تو کرو، کہ سر کو چھت لگتی ہے اور دروازے ٹاٹ کے ہوتے ہیں —— کیا ان کے لیے محلات تعمیر نہیں ہوسکتے تھے

ظلم پر ظلم ہوتا تھا، بہکاوے پر بہکاوا آتا تھا لیکن ان نفوسِ قدسیہ کے بہکنے کی مثال تک نہیں ملتی، کیونکہ ان میں مقصد زندگی کا پورا شعور تھا۔ اسے اپنے اندر پیدا کیجئے کہ ہم جس راہ پر چل رہے ہیں وہی ہمارا مقصد زندگی ہے۔ اس کا تفصیلی علم آپ کو حاصل ہو اور یہ شعور اور علم یقین تک پہنچ جائے تو پھر —— اگر سب لوگ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں تو پھر بھی آپ کہیں گے، کہ کوئی ساتھ رہے یا نہ رہے، مجھے اسی راہ پر چلنا ہے، خواہ سب ختم ہوجائیں —— یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو شعورِ مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ شعور آپ کو قرآن وسنت اور تاریخ اسلامی کے گہرے مطالعہ سے نصیب ہوگا۔

تیسری خصوصیت جو ہمیں پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے وہ یہ ہے کہ طلب صادق —— رجوع الی اللہ اور شعور مقصد سے جس منزل کا پتہ مل جائے، اس پر استقامت سے ڈٹ جائیں۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا﴾ یعنی ”جن لوگوں نے (شعور کے ساتھ) کہا کہ اللہ ہی ہمارا کارساز ہے پھر اس یقین پر ڈٹ گئے، تو ان پر فرشتے نازل ہوکر انہیں اطمینان دیتے ہیں“۔

استقامت کوئی معمولی بات نہیں جو فوراً پیدا ہوجائے کہ جس کے نتیجے میں فرشتے نازل ہوں اور دولتِ اطمینان دیں —— جب اس کے لیے کوشش کی جاتی ہے تو سب سے پہلے نفس آگے بڑھتا ہے۔ علائق دنیا گھیر لیتے ہیں۔ راہ کی مشکلات جلدی سے پیٹھ پھیر لینے کا مشورہ دیتی ہیں۔ لیکن داعی حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی استقامت پیدا کرے کہ آدمی اللہ کی راہ میں مستقل مزاجی سے چلے۔ جب تک جسم کے اندر قوت ہے، ٹانگوں میں زور ہے، تو پوری قوت سے چلے —— ٹانگیں جواب دے جائیں تو گھسٹتا رہے —— یہ بھی نہ ہو تو حسرت بھری نگاہوں سے دوسروں کو منزل کی طرف اشارہ دیتا رہے —— اور یہ آرزو رہے کہ دوسروں کی راہ نمائی کرے —— سیرت نبیؐ —— سیرت صحابہؓ —— مکے کی گلیاں —— طائف کے بازار —— بدر واُحد کے میدان کسی روشنی کے مینار ہیں یا قصے اور حکایتیں —— ؟ لذت نفس ہے؟ خدا کا خوف کیجئے۔ واعظوں نے اس راہ پر نہ تو چلنے دیا اور نہ خود چلے۔

سرگودھا کے بازار بھی ویسے ہی مکے کے بازار بن سکتے ہیں کہ یہاں پتھروں کی بارش ہو —— طائف کے بازار یہاں بھی مل سکتے ہیں۔ بدر واحد کے میدان یہاں بھی قائم ہوسکتے ہیں۔ اس راہ پر چلنے والوں کے لیے یہ سب کچھ موجود ہے —— اگر یہ مقام نہیں آئے تو آپ اس راہ پر چلے ہی نہیں —— آپ حق کی آواز کو ذرا نکھار کر کہیں تو سہی —— پتھر ہی پتھر آپ کو ملیں گے —— ہم نے درحقیقت مصالحت کر رکھی ہے، کفر و ایمان سے —— ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس نے بھی حق کو نمایاں کرکے پیش کیا، اسے پھولوں کی بجائے گالیاں ہی پڑیں۔ کانٹوں سے ہی واسطہ پیش آیا —— اور اگر ایسا نہ ہوا تو خطرہ ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے استقامت کے بغیر راہِ حق قدم سے ڈگمگا جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے استقامت اختیار کرنے والوں کو سورۂ توبہ میں گن گن کر بتادیا ہے کہ یہ آٹھ چیزیں ہیں جو تمہارا راستہ روک سکتی ہیں۔

”اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں —— تو انتظام کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے —— اور اللہ فاسق لوگوں کی راہ نہیں نمائی کرتا۔“ (آیت:23)

جب اللہ کی راہ میں نکلنے کا وقت آتا ہے تو بیوی بچوں کی محبت، گھر کے اکیلا ہونے کا خیال راستہ روک لیتا ہے —— کہیں باپ کی طرف سے پابندی رکاوٹ بنتی ہے —— یاد رکھیے! اگر ان کے روکے آپ رُک گئے خدا کے بلاوے سے —— تو یاد رکھیے کہیں کے نہ رہیں گے۔

نفوسِ قدسیہ جو اس وقت کے مخاطب اوّل تھے۔ انہوں نے اپنے عمل سے بتایا کہ اگر یہ چیزیں تمہارا راستہ روکنے آئیں —— تو —— تم نے کیا کرنا ہے۔

ایک ماں کہتی ہے کہ اے بیٹے! اگر تم ایمان سے نہ پھرو گے تو میں نہ کھاؤں اور نہ پیؤں گی —— بیٹے کی استقامت اور تہیہ دیکھئے۔ جواباً کہتا ہے کہ ”اے ماں! اگر تیرے جسم میں ستر جانیں بھی ہوں (بھوک اور پیاس کی وجہ سے وہ بار بار نکلتی رہیں) تو بھی میں اپنا ایمان نہ چھوڑوں گا۔“

جنگ بدر کے بعد بیٹا عبدالرحمٰن ؓ کہتا ہے کہ اے ابا جان! میدان جنگ میں آپ دو دفعہ میری راہ میں آئے تو مجھے رُکنا پڑا —— باپ ابوبکرؓ جواب دیتا ہے کہ ”اے بیٹے! اگر تم میری راہ میں آتے تو میں ہرگز نہ رُکتا۔ اور تلوار تمہاری گردن ضرور ہی اڑا دیتی“۔ جنگ اُحد کے بعد آواز آتی ہے کہ جنگی قیدی ہر ایک کے رشتہ دار کے حوالے کردیے جائیں —— وہ اپنے خونی رشتوں کو خود اپنے ہاتھوں حق کا راستہ روکنے کے جرم میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔

مگر —— ان تمام چیزوں نے تمہارے راستے روک رکھے ہیں۔ الیکشن میں آپ دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ اس کی مدد کریں۔ کیونکہ وہ آپ کا عزیز کھڑا ہے۔ اور ”وہ“ اپنے عزیزوں کی جان تک ختم کردیتے تھے کہ راہِ حق میں مزاحمت نہ رہے۔

جب تک ان سارے خونی رشتوں کو ختم کرنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں پاتے، اس وقت تک وہ مجاہدہ پیدا نہیں ہوسکتا —— جو تحریکِ اسلامی کے ہر کارکن کے لیے مطلوب ہے۔ البتہ اگر والدین کا معاملہ رکاوٹ بنتا ہے تو اس سلسلے میں یاد رکھیے کہ یہ راہِ حق میں ایک مقدس پتھر ہیں۔ ان کو چوم کر ایک طرف رکھیے۔ ٹھوکر نہ ماریے۔ لیکن وہ مال —— وہ تجارتیں اور وہ مکان جن کی آسائش تمہیں نہیں چھوڑتی، میں پوچھتا ہوں کہ —— وہ مکان بنائے ہی کیوں جائیں جو راہِ حق کا راستہ روک سکیں۔ حضور رسول پاک ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی تعمیرات کے نمونوں پر غور تو کرو، کہ سر کو چھت لگتی ہے اور دروازے ٹاٹ کے ہوتے ہیں —— کیا ان کے لیے محلات تعمیر نہیں ہوسکتے تھے؟ جن کے ایک اشارے پر لاکھوں جانیں قربان ہونے کو تیار تھیں اور وضو سے گرنے والے

پانی کو اپنے چہروں پر ملنے والے جاں نثار —— معمولی اشاروں پر قیصر و کسریٰ کے سے محل بنا دیتے اور —— پھر —— اللہ کی ذات بھی مدد پر بھی تھی۔ انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ —— وہ بات آپ بھول گئے کہ آپؐ نے پہلی دفعہ حکم دیا کہ کوئی اونچے مکان —— بالا خانے اور زیادہ کمرے نہ بناؤ۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انفرادی تعمیر کے پیچھے لگ گئے تو اجتماعی تعمیر رک جائے گی۔ چنانچہ محض حوصلہ شکنی نہیں کی گئی، بلکہ حکم دیا گیا ایسا نہ کرو —— وہ صورت حال پیدا ہی کیوں کرتے ہو کہ راہِ حق میں نکلنے میں رکاوٹ بنے۔ بس ایک جھونپڑا کھڑا کر لو کہ سردی سے —— اور گرمی سے بچاؤ ہو جائے۔ زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ اس کی جواب طلبی ہونا چاہیے اور یہ چیز تحریک کے لیے بڑی رکاوٹ ہے۔ جماعت کے آغاز میں ہی دوستوں کا یہ رجحان اور رفیقوں کی یہ ترقی تعمیرات ——!! کسی تحریکی ساتھی کی دولت مندی کی کہیں اگر خبر ملتی ہے تو مجھے اتنا افسوس ہوتا ہے کہ کوئی عزیز مر گیا ہو۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے کہ تحریک کو تو بے انتہا ضرورت ہے اور اس کا ایک کارکن اپنی ضرورت مقدم رکھنے والا ہے۔ سمجھ لو کہ وہ ہم سے گیا —— اس کی راہ اور منزل اور ہو گی —— اگر میں امیر ہوتا تو حکماً ان کو رکنیت سے نکال دیتا —— انہیں معلوم نہیں کہ ہم سراپائے احتیاج ہیں۔ ایک ایک قطرے اور پیسے کے محتاج ہیں —— اس ساز و سامان سے اس راہ پر نہیں چلا جاتا۔ اسی طرح تجارتیں چلانے پر زور ہے۔ یہ چل پڑتی ہیں تو فراغت نہیں ملتی۔ اُن نفوس قدسیہ کی بھی تو تجارتیں تھیں۔ آپؐ کے گھر میں سب سے بڑی تاجرہ تھی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تجارت بھی تو کافی وسیع تھی —— تحریکِ اسلامی والو! —— خدا کے لیے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ آیا انہیں دعوتِ حق کے ابتدائی مرحلوں میں تجارت میں ترقی ہوئی؟ جو کچھ بھی تھا —— جسم و جان، مال و دولت سب کچھ راہِ حق میں کھپا دیا اور پھر کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و دولت میں اتنی خیر و برکت، ڈالی کہ پورے شہر میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا —— اور آپ دعوت کے ابتدائی مرحلوں ہی میں مقصد زندگی کو چھوڑ کر مال و دولت بڑھائیں اور دعویٰ یہ کریں کہ ہم راہِ حق پر چل رہے ہیں —— معاف کرنا فریب دے رہے ہیں —— اس میں اخلاص کی بو نہیں ہے۔ اپنے گریبانوں میں خوب اچھی طرح نگاہیں ڈال کر دیکھئے اور تجزیہ کر کے ملاحظہ کیجئے۔

اگر راہِ حق میں پیش آنے والی اور رکاوٹ بننے والی مذکورہ آٹھ چیزوں سے اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ پیار ہے —— تو ارشاد ہے کہ —— ہمارے فیصلے کا انتظار کرو آخری فیصلے کا —— اور وہ یہ کہ جو لوگ اپنے گھر بار، بیوی بچوں، مال و تجارت —— مکانات اور دیگر دنیاوی چیزوں کو اللہ اور رسول ﷺ سے بڑھ کر پیار کریں —— تو یہ فاسقوں کی علامات ہیں اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا —— اور اگر خدائی ہدایت کا راستہ ہی بند ہو جائے تو پھر کہاں سے ملے گا۔ اس میں تصنع اور ریاکاری کی ضرورت نہیں۔ سیدھا سیدھا طریقہ تو تزکیہ نفس کا طریقہ ہے —— نفس کو مارنا کس نے سکھایا ہے اسے تو پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مارنے کا نہیں —— اور اس کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ پاس ہے راہِ حق میں لگا دو —— نہ کچھ رہے گا، نہ تصنع اور بناوٹ ہو گی۔ تصنع کے ساتھ آپ بے شک نظم بالا اور بعض اوقات اپنے آپ کو تو مطمئن کر سکتے ہیں —— مگر دل کے رازوں کو جاننے والے اللہ تعالیٰ سے تصنع اور بناوٹ سے کام لیں گے تو مارے جائیں گے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم خود اپنا جائزہ لیں اور پڑتال کریں۔ ہمیں تو اپنے مقصد زندگی کے ساتھ اتنا انس و محبت اور مجاہدہ بھی نہیں جتنا کہ ایک باپ کو اپنے بیمار بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ بھوک تو سب کو ہی لگتی ہے۔ نیند بھی آتی ہے۔ لیکن بیمار بچے کے باپ کو بھوک مٹ جاتی ہے، نیند غائب ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی دو بنیادی ضرورتوں کو بھول جاتا ہے —— اور آپ ہیں کہ تحریک اسلامی سے اتنی محبت بھی نہیں، جتنی باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے

شعور کے بعد راہِ حق سے لوٹنا ارتداد ہے اور کھڑے رہنا منافقت —— ہم سب ایک عظیم آزمائش میں مبتلا ہیں۔ اگر آپ نے سب کچھ قربان کر کے اس تحریک کو کامیابی سے چلایا تو یہ مکمل سپردگی ہی اصل کامیابی ہے۔ حضرت سمیہؓ کے بارے میں کیا خیال ہے، جو ابوجہل کے نیزے کی اَنی سے شہید ہوئیں۔ ہجرت سے پہلے اور بدر و احد کے میدانوں میں شہید ہونے والوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا انہوں نے انقلاب دیکھا تھا؟ لیکن وہی اصل میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ اگر وہ قربانیاں نہ دیتے تو فتح مکہ کا دن نہ آتا۔ اگر آپ سب کچھ لگا کر فارغ ہو گئے تو آپ اس طرح صدیوں تک لیے لیے راستے کھول گئے۔ آپ تو اپنے اعمال سے ایک تاریخ لکھ رہے ہیں۔ ؎

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

- قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
- قرآن و سنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟
- عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟
- حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط و تعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے:

عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

اور

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح

قرآن حکیم کے آئینے میں

بانیٔ تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہٗ

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 25 روپے، اشاعتِ عام: 15 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 03-5869501

اب کہانی نہیں بنتی!

اوریا مقبول جان

اسباب دنیا کے مارے ہوئے اور ہر طاقتور سے مرعوب ہونے والے ان عقل مندوں کو ہمیشہ کمزوروں، بے سروسامان لوگوں اور مظلوموں کی فتح کا کبھی بھی یقین نہیں آتا۔ یہ اس لمحے بھی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا رہے ہوتے ہیں جب لوگوں کے ہاتھ ان کے گریبان تک جا پہنچتے ہیں۔ ان کی تلواریں ان کے سر کاٹ رہی ہوتی ہیں یا ان کی بندوقوں سے نکلنے والے شعلے ان کے آرام دہ مسکنوں کا نشانہ لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لمحے میں بھی سوچتے ہیں کہ ان مظلوم، مجبور، مقہور اور بے چارے انسانوں میں یہ ہمت اور طاقت کہاں سے آ گئی کہ یہ ہمارے یا ہمیں تحفظ دینے والی عظیم قوتوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ یقیناً انہیں کسی نے اکسایا ہے۔ کوئی ہے جو ان کی مدد کر رہا ہے۔ انہیں دولت، اسلحہ اور پناہ فراہم کر رہا ہے ورنہ ان کی کیا مجال کہ یہ اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکیں۔ ان دانشوروں، تبصرہ نگاروں، تاریخ دانوں اور نمک خوار انسانی حقوق کے ترجمانوں کی حیثیت زمیندار کے اس منشی کی طرح ہوتی ہے جس کا گریبان ایک دن گاؤں کے مظلوم ''کمی'' یعنی بے حیثیت مزدور تھام لیتے ہیں اور اسے اس واقعے کا یقین تک نہیں آتا۔ بس اپنی آنکھیں گھماتے ہوئے یہی بڑبڑاتا نظر آتا ہے۔ تمہیں چودھری صاحب کے دشمنوں نے اکسایا ہے، تم کسی کی شہ پر یہ سب کچھ کر رہے ہو۔ تمہیں یہ زبان کس نے دی ہے۔ کاسہ لیس قوم کے لیڈروں کی حیثیت بھی زمینداروں کے منشیوں سے مختلف نہیں ہوتی۔ انہیں بھی یہ یقین ہوتا ہے کہ اس دنیا میں نیلے آسمان کے نیچے صرف ایک ہی طاقت ہے جس کے وہ باجگزار اور نمک خوار ہیں۔ ان کاسہ لیس، مرعوب اور احساس کمتری کے مارے ہوئے رہنماؤں کا ساتھ ایک ایسا طبقہ دے رہا ہوتا ہے جو اس دنیا کے اسباب کا حساب بڑے سلیقے سے رکھتا ہے۔ یہ سپر پاور ہے۔ اس کے پاس اس قدر قوت ہے۔ یہ جس ملک میں چاہے اپنی مرضی کی حکومت قائم کرے، الٹائے، اپنے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ اس کے سامنے کسی کی کیا مجال۔ یہ دانشمند اور ذہین کہلانے والا طبقہ بڑے غضب کا کہانی ساز ہوتا ہے۔ جہاں کہیں نہتے لوگوں نے فتح حاصل کی، طاقتور پر غلبہ حاصل کیا۔ یہ فوراً ایک لمبی کہانی سنانے لگتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کو فلاں قوت نے اسلحہ دیا تھا، پناہ دی تھی۔ اصل میں اس علاقے میں ریگستان اور پہاڑ ایسے تھے کہ انہیں چھپنے میں آسانی تھی۔ عالمی حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ بڑی قوت کو نکلنا پڑا۔ ورنہ یہ کمزور لوگ فتح حاصل نہ کرتے۔ یہ لوگ ویت نام کی فتح کو ان ساٹھ لاکھ انسانوں کی قربانی سے تعبیر نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اصل میں چین اور روس ساتھ دے رہے تھے ورنہ چارفٹ کے ویت نامی ریمبو جیسے دیومالائی امریکیوں سے جیت سکتے تھے۔ یہ پندرہ لاکھ افغانوں کی شہادت کا روس کی شکست کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتے بلکہ لمبی لمبی کہانیاں سنائیں گے۔ کیسے مدد آئی، کیسے اسلحہ پہنچا، کیسے عالمی برادری نے ساتھ دیا۔ میں انسانی جرأت اور بہادری کے ان منکروں کی باتیں سنتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کا اسلحہ ان بزدلوں اور مرعوب لوگوں کے گھروں میں پہنچا دوں اور کہوں اب اسے چلا کر اپنے سامنے والے پلاٹ پر ہی قبضہ کر کے دکھاؤ تو ان کی نیند اڑ جائے۔ طاقت کے یہ پجاری اور دنیاوی اسباب پر یقین رکھنے والے یہ مرعوب افراد لوگوں کی نفرت اور اس سے جنم لینے والی تحریکوں پر بھی ویسی ہی منطقیں جھاڑتے رہتے ہیں۔ انقلاب ایران اور انقلاب فرانس سے پہلے ایسے ہی عظیم دانشوروں کے فقرے تاریخ کا حصہ ہیں کہ یہ چند لوگ ہیں جنہیں مخالف ملکوں نے پیسے دے کر اکسایا ہے۔ یہ ہماری طاقت کے سامنے کچلے جائیں گے لیکن ان سب کی منطقیں اس وقت خاموش ہو گئیں جب ان کی اپنی گردنیں تیز دھار چھرے کے نیچے فرانس میں اڑ رہی تھیں یا پھر تہران کے مردہ خانے میں ان کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے قطعاً کوئی حیرانی نہیں ہوئی جب میں نے سنا کہ یہ لوگ کہتے پھرتے ہیں پاکستان میں عدلیہ کی بحالی آرمی چیف نے کروائی اور اب تو اسے امریکی سفیر اور برطانوی وزیر خارجہ کا کارنامہ کہا جا رہا ہے۔ کسی کو بارہ مئی کا کراچی یاد نہیں آتا اور دو سال تک سڑکوں پر ایک شخص کا چالیس چالیس گھنٹے انتظار کرتے لوگ نظر نہیں آتے۔ کاش یہ لانگ مارچ کے دن امریکی سفیر کی بات ماننے سے انکار کر دیتے اور خود تاریخ کا وہ تماشہ دیکھ لیتے جو کبھی فرانس کے لوئی اور ایران کے شاہ نے دیکھا تھا۔

لیکن اب شاید انہیں کہانی گھڑنے، جواز تلاش کرنے اور طاقت اور قوت کی کاسہ لیسی کا حق ادا کرنے کے لیے خاصی مشکل پیش آنے والی ہے۔ یہ لوگ اب تک صرف اس دلیل پر چلتے تھے کہ افغان جہاد کو اگر امریکہ مدد نہ کرتا، پاکستان فوج اور خفیہ ایجنسیاں ساتھ نہ دیتیں تو یہ ناکام ہو جاتا۔ میں یہاں افغانوں کی تاریخ اور ان کے ہاتھوں ذلت سے شکست کھائے ہوئے برطانیہ کی بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں اُس مستقبل کی بات کرنا چاہتا ہوں جسے اب سب نے پڑھ لیا ہے اور ان بزدل دانشوروں کے طاقتور آقا نے تسلیم کر لیا ہے کہ اب افغانستان میں شکست ہمارا مقدر ہو چکی ہے۔ آیئے دیکھیں اس آٹھ سالہ جنگ میں ان نہتے، مظلوم، بے کس اور لاچار افغانوں سے کون کون لڑ رہا تھا۔ 1949ء میں بننے والے نیٹو اتحاد کے اٹھائیس ممالک جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، سپین، ناروے، پولینڈ، ہالینڈ، جرمنی، یونان، اٹلی اور کینیڈا شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے تمام ممالک کی مالی مدد اور ایسے ممالک کی افواج بھی جو نیٹو میں شامل نہیں جیسے آسٹریلیا۔ ان کے پڑوس میں نہ تو ایران کا ساتھ اور نہ ہی تاجکستان اور ازبکستان کا۔ پاکستان تو وہ سرزمین تھی جہاں سے پہلے تین سالوں میں 57 ہزار دفعہ جہاز اڑے اور انہوں نے افغانوں کے جسم کے پرخچے اُڑائے۔ نہ سعودی عرب اور نہ کوئی اور مسلم ممالک کہ چند بوریاں اناج کی ہی بھیج دے۔ بظاہر دنیا کے وہ تمام اسباب جو ان 28 ملکوں کی افواج اور عالمی طاقت کو شکست دینے کے لیے ہوتی ہیں، ان میں سے ایک بھی میسر نہیں ہے۔ اور اس وقت میرے سامنے دنیا کے بائیس بڑے جنگی تجزیہ نگاروں کے مضامین کھلے پڑے ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ افغانوں سے یہ جنگ جیتی ہی نہیں جا سکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس وقت نیٹو افواج کی اموات اوسطاً 8 افراد ہر ہفتہ ہے، جبکہ 80 کی دہائی میں سوویت افواج کی شرح اموات 5 افراد ہر ہفتہ تھی۔ سوویت افواج ایک لاکھ تھیں اور ان کے ساتھ روس کی تیار کردہ چاک و چوبند افغان فوج تھی۔ ان کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں سارے

ملک میں دندناتی تھیں لیکن پھر بھی شکست کھا گئیں جبکہ نیٹو افواج چند میل کے علاقوں سے باہر نہیں نکل پا رہیں۔ تنگ آ کر جنرل پٹریاس نے یہاں تک کہہ دیا کہ افغان روز مر رہے ہیں، تباہ ہو رہے ہیں۔ ہم ان سے صلح کی بات کرتے ہیں لیکن کوئی ہمارے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ڈیڑھ لاکھ افغان فوج اور 82 ہزار پولیس بھرتی کرنے کی منصوبہ بندی بھی ہوئی لیکن افغانوں نے ناکام بنادی۔ مجھے 1867ء کا وائسرائے جان لارنس یاد آتا ہے جس نے کہا تھا کہ افغانستان کی فتح ناممکنات میں سے ہے۔ ہمیں ایک سپاہی بھی اُس سمت نہیں بھیجنا چاہیے بلکہ اپنے علاقے ہندوستان کو پُرامن بنانا چاہیے۔ اُس کی یہ تقریر اس وقت ہر مغربی تجزیہ نگار کی زبان پر ہے اور افغانستان میں شکست کی کہانی اُن کا قلم لکھ رہا ہے۔

ایسے میں مجھے اپنے ان طاقت پرست اور اسباب دنیا پر بھروسہ کرنے والوں پر ترس آ رہا ہے۔ سوچ رہے ہوں گے، کیسے ثابت کریں گے کہ افغانوں نے یہ جنگ اکیلے نہیں جیتی۔ اس دفعہ تو نہ کوئی عالمی طاقت ان کے ساتھ تھی، روس، چین، بھارت کون تھا جو ساتھ دیتا۔ نہ پاکستان کی افواج اور نہ ان کی خفیہ ایجنسیاں۔ کہانی کیسے بنائی جائے گی۔ کہانی بن بھی نہیں سکتی۔ میرا اللہ ایسے لوگوں کے سامنے مثالوں پر مثالیں دیتا رہتا ہے کہ وہ جسے چاہے غلبہ دے، جسے چاہے عزت دے لیکن کوئی اُسے طاقت مانیں تو۔ (بشکریہ روزنامہ "ایکسپریس")

آداب زندگی

بڑوں کا ادب واحترام

مرتضیٰ احمد اعوان

مغربی معاشرے میں مادر پدر آزادی کے تصور نے جب اپنی جڑیں مضبوط کیں تو وہاں اخلاقی اقدار کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہوتے ہی خودمختار ہوجاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتے ہیں اور اپنے والدین اور بزرگوں کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ والدین خود بھی ان کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتے۔ یہ لوگ بڑھاپے میں تنہا رہ جاتے ہیں اور مجبور ہو کر اولڈ ہومز کا رخ کرتے ہیں، جہاں وہ اپنی ساری زندگی اپنی اولاد کے انتظار میں گزار دیتے ہیں۔ بڑوں کے لیے علیحدہ کالونیاں اس لیے بنائی گئی ہیں تاکہ ان کی وجہ سے نوجوان کی عیش وعشرت کی زندگی متاثر نہ ہو۔

مشرقی بالخصوص اسلامی معاشرے میں بزرگوں کا احترام، ان کی عزت، ان کے احکامات وہدایت پر عمل کرنا تہذیبی اقدار میں شامل ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ اقدار بھی بتدریج دم توڑتی جارہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے مشرقی معاشرے بھی مغرب کی تقلید کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ جس کی واضح مثال ہمارے ہاں اولڈ ہومز کا قیام ہے، جہاں مغربی طرز پر ہمارے بوڑھے شہری اپنی زندگی کا سب سے مشکل دور گزار رہے ہیں۔ اس سے پہلے ہمارے معاشرے میں اولڈ ہومز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسلام کے آداب معاشرت میں بڑوں کے احترام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نوجوانوں کو سبق دیتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کا احترام کریں، ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئیں اور ان کی بات کو اہمیت دیں۔

بڑے لوگوں سے مراد صرف وہی لوگ نہیں جو آپ سے عمر میں بڑے ہوں بلکہ اُن میں ہر وہ فرد شامل ہے جس میں کسی نہ کسی طرح کی کوئی فضیلت اور برتری پائی جاتی ہے، خواہ وہ برتری قرابت یا عمر کی وجہ سے ہو، ہنر، تجربہ یا منصب کی بنا پر ہو یا تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے، اسلام سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کی حیات طیبہ شاہد ہے کہ آپؐ بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کی رضاعی والدہ بی بی حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں جو ابھی ایمان نہیں لائی تھیں۔ آپؐ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ آپؐ سے جب کوئی قبیلے کا سردار ملنے آتا تو آپؐ اس کا بے حد احترام کرتے تھے، اور اسے اس کے مرتبے کے مطابق مجلس میں بٹھاتے۔ نبی اکرم ﷺ کے اقوال سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ بڑوں کا احترام ہمارے لیے کتنا ضروری ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جو شخص چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔" ایک اور روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "جس نوجوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم وتکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔" گویا جس نے بھی بڑوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا وہ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں کامیاب ہوگا۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے کسی بوڑھے شخص کا احترام کرنے کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے کہ مسلمان سفید بال بوڑھے کا احترام کیا جائے۔"

پاکستان میں اس وقت جتنے بھی اولڈ ہومز ہیں ان میں بے شمار بزرگ ایسے ہیں جو اپنی اولاد کے ناروا سلوک کی وجہ سے یہاں پہنچے ہیں۔ جو لوگ والدین کی ناقدری کرتے ہیں انہیں یہ بات ضرور سوچ لینی چاہیے کہ عمر کے جس حصے میں آج ان کے والدین پہنچے ہیں وہاں انہیں بھی ایک دن پہنچنا ہے۔ آج جو رویہ وہ اپنے والدین سے اپناتے ہیں، کل اُسی رویہ اور سلوک کا سامنا انہیں بھی کرنا پڑے گا۔ اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید کی کہ اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا۔ بلاشبہ والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک آدمی کے لیے اولین بزرگ اُس کے والدین ہی ہوتے ہیں۔ وہ جتنا اچھا سلوک اپنے والدین سے کرے گا، اُسی قدر دنیا و آخرت میں قدر ومنزلت کا حقدار ٹھہرے گا۔ قرآن مجید ہمیں والدین اور اس کے ساتھ ساتھ قرابت داروں، ہمسائیوں اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے۔ سورۃ النساء آیت 36 میں ارشاد ہے:

"اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو کہ (اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔"

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج کل ہمارے نوجوان دوسرے بزرگوں کا احترام تو کجا اپنے والدین سے بھی بدتمیزی اور بے ادبی کی جسارت کرتے ہیں۔ اُن کی فرماں برداری کی بجائے اُن سے بحث وتکرار کرتے ہیں۔ گویا ہم نے والدین کی بات نہیں ماننی بلکہ اُن سے اپنی بات منوانی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی ناقدری اور بالخصوص والدین کی نافرمانی کی روش جو نوجوانوں نے آج روا رکھی ہے، ہماری معاشرت کی عمارت میں دراڑیں ڈال رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے ہم اپنی معاشرتی اقدار کو مضبوطی سے اپنائیں۔ مغربی معاشرت کا نتیجہ اہل مغرب نے دیکھ لیا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو تباہی سے بچانا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ بڑوں کا احترام کریں۔ خاص طور پر اپنے والدین کا جن کے طفیل ہم اس دنیا میں آئے اور انہی سے ورثے میں ہمیں اسلام کی دولت ملی ہے۔

عیدالاضحیٰ: اسوۂ ابراہیمی کی یاددہانی

فرید اللہ مروت

دنیا کی ہر قوم سال میں خوشی کے تہوار مناتی ہے، ان تہواروں میں اخلاقی حدود و قیود کو پاؤں تلے روند کر اکثر اس کا اختتام حسرتوں اور ندامتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام تو ایک پاکیزہ نظام حیات ہے جو خوشیوں کے ان مواقع پر اخلاقی حدود کی پابندیاں لگاتا ہے تاکہ اس سے دائمی اور ابدی خوشیاں حاصل ہوں اور قلوب سکون سے سرشار ہو جائیں۔

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ مسلمانوں کے دو مقدس تہوار ہیں۔ عیدالفطر رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو اور عیدالاضحیٰ ذوالحجہ کی 10 تاریخ کو مناتے ہیں۔ عیدالاضحیٰ کو عید قربان بھی کہتے ہیں کیونکہ اضحیٰ کے معنی قربانی کے ہیں۔

قربانی کی ابتدا:

عیدالاضحیٰ ہمیں اس یادگار واقعہ کی یاد دلاتی ہے جو آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذوالحجہ کی 8 تاریخ کو خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ انبیاء کرامؑ کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ صبح ہوئی تو آپؑ پریشانی کی حالت میں رات کے خواب پر غور و فکر کرتے رہے۔ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ کہا جاتا ہے ترویہ کے معنی غور و فکر اور سوچ بچار کے ہیں۔

نبی کریم ﷺ ترویہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس نے ترویہ کے دن روزہ رکھا، اس کو ہزار اونٹ قربان کرنے اور ہزار گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سواری کے لیے دینے کا ثواب ملتا ہے۔

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر وہی خواب دیکھا۔ آپؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نویں ذوالحجہ کا نام یوم عرفہ ہے، یعنی پہچان اور معرفت کا دن۔ (مکاشفۃ القلوب، از امام غزالیؒ)

یوم عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا، اس کو دو ہزار غلام آزاد کرنے اور دو ہزار اونٹ کی قربانی کرنے اور دو ہزار گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سواری کے لیے دینے کے برابر ثواب ملے گا۔ ایک اور جگہ پر فرمایا: یوم عرفہ کے روزے کا ثواب دو سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (مکاشفۃ القلوب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دسویں ذوالحجہ کی شب کو بھی یہی خواب دیکھا تو آپؑ نے محسوس کر لیا کہ یہ لازماً حکم ربانی ہے چنانچہ لخت جگر کو ذبح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دسویں ذوالحجہ کو یوم النحر یعنی ذبح کر دینے کا دن بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو خواب کے بارے میں بتایا اور پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے جواب دیا:

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ (الصف:102)

"اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجیے آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ سے منیٰ میں (منیٰ مکہ معظمہ سے تین میل دور دو پہاڑوں کے درمیان ایک لمبا میدان ہے) لے گئے اور ذبح کرنے کے لیے ایک چھری بھی ساتھ لے لی۔

جب منیٰ کے قریب پہنچے تو ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چلا تو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ دونوں باپ بیٹا آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا۔ کچھ دور جا کر پھر بہکانے لگا کہ آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے والد آپ کو کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ آپ کو ذبح کرنے کے لیے لے کے جا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں، پھر وہ زمین میں دھنس گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔ ابراہیمؑ ابھی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی: ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ "اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔" ابراہیمؑ نے چھری چلائی مگر اس نے کام نہ کیا اور بالآخر دفعۃً ایسی آواز آئی کہ جیسے کوئی چیز کٹ گئی ہے، اس وقت ابراہیمؑ نے اپنے آنکھوں سے پٹی کھولی تو ایک مینڈھا ذبح ہوا پڑا ہے اور اسماعیلؑ صحیح سلامت پاس کھڑے ہیں۔ روایت میں ہے کہ یہ مینڈھا حضرت جبرائیلؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لائے تھے۔

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾

"کہ اسماعیلؑ کو ایک ذبح عظیم کے عوض چھڑا لیا۔"

ذبح کیا مینڈھا اور ثواب مل گیا بیٹے کی قربانی کا۔ یہ واقعہ قربانی کی ابتدا ہے اور حج کے موقع پر جو کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ بھی اسی واقعہ کی یاد میں ہیں۔ ان ہی تین جگہوں پر کنکریاں مارتے ہیں جہاں شیطان زمین میں دھنس گیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کرنا مسلمانوں کی عبادت کا حصہ بن گیا۔ امت محمدیہ میں ہر صاحب حیثیت مسلمان پر قربانی واجب ہے اور اگر کوئی صاحب حیثیت نہ ہو اور قربانی کر دے تو ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ وَّجَدَ سِعَةً لِاَنْ يُضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا)) (الترغیب والترہیب)

"جو شخص وسعت ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔"

قربانی کا اصل مقصود خون بہانا ہے، اس لیے اگر قربانی کے دنوں میں کوئی شخص قربانی کی قیمت صدقہ کر دے یا اس کی جگہ غلہ یا کپڑا محتاجوں کو دے دے تو اس سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی اور ترک قربانی کا گناہ ہوگا اور ہر جانور کے بال بدلے نیکی ملنے کی سعادت سے محرومی ہوگی۔

قربانی صرف گوشت اور خون کی قربانی نہیں روح اور دل کی قربانی ہے۔ خواہشات اور جذبات پر قابو پانے کی قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے مال و جان کی قربانی کے لیے تیار رہنا اس کا مقصد ہے۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ (الحج:37)

"اللہ تعالیٰ کو ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون، اسے تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔"

قربانی کی فضیلت کا احادیث مبارکہ میں اس طرح ذکر ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ”کہ بقرعید کی دس تاریخ کو ابن آدم کا کوئی بھی نیک عمل اللہ کے نزدیک (قربانی) کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اور قیامت کے دن قربانی والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں ثواب عظیم کا ذریعہ بنیں گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجہ قبولیت پالیتا ہے۔ لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔“ (رواہ الترمذی)

ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ (اپنی صاحبزادی) حضرت فاطمہ ؓ سے (قربانی کے وقت) فرمایا کہ اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرہ کی وجہ سے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حضرت سیدہ فاطمہ ؓ نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ فضیلت صرف ہمارے لیے یعنی اہل بیت کے واسطے مخصوص ہے یا سب مسلمانوں کے لیے ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ فضیلت ہمارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ (الترغیب والترہیب)

عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بقرعید کے دس دنوں میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے بڑھ کر کسی زمانے میں بھی اس قدر محبوب نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جہاد (فی سبیل اللہ) بھی ان ایام سے افضل نہیں۔ الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لے کر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لے کر نہ لوٹے۔“ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بقرعید کے اوّل دس دنوں میں روزہ رکھنے سے ایک روزہ کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ملتا ہے اور ان دنوں کی راتوں میں قیام کرنے سے شب قدر میں قیام کے برابر ثواب ملتا ہے۔“ (رواہ بخاری)

قربانی کا جانور:

قربانی کا جانور بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا، اس لیے جانور خوب عمدہ اور موٹا تازہ، صحیح سالم، عیبوں سے پاک ہو، لنگڑا، کانا، بیمار، دبلا نہ ہو۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ اور دنبی کی قربانی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔

گائے، بیل، بھینس، اونٹ اور اونٹنی میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔ بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ میں ایک شخص کی جانب سے ایک جانور ہو سکتا ہے۔ اونٹ، اونٹنی، کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے، بیل، بھینس کی عمر کم از کم دو سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔

قربانی کا وقت: ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی عصر تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ افضل دن دسویں کا ہے۔

تکبیر تشریق:

بقرعید کے ایام میں تکبیر تشریق واجب ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ آواز سے یہ تکبیر پڑھیں۔ ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ“ یہ تکبیر نویں تاریخ کی فجر سے لے کر تیرہویں تاریخ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کا سلام پھیر کر فوراً پڑھیں۔

شب عید کی عبادت:

عید کی رات کو نمازوں میں قیام کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابوامامہ ؓ سے مروی ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے دونوں عیدوں کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا، اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہوں گے (یعنی قیامت کے دن خوف و گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا) (الترغیب والترہیب)

☆☆☆

پریس ریلیز: 14 نومبر 2009

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کو جبراً روکنے کی مذمت

تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید اور بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے بہاولپور میں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے انعقاد کو جبراً روک دینے کی شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم نے ایک ماہ قبل متعلقہ محکمہ جات کو اجتماع کی باقاعدہ اطلاع کر دی تھی، لیکن پولیس نے اپنا روایتی جابرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے عین وقت پر جبکہ اجتماع کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور ملک بھر سے تنظیم اسلامی کے قافلے بہاولپور کی طرف روانہ ہو چکے تھے، اجتماع منعقد نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عین اس وقت رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کا اجتماع اللہ کے فضل و کرم سے انتہائی پرسکون طریقے سے جاری ہے۔ انہوں نے کہا کہ پولیس جان بوجھ کر ایسی اشتعال انگیز حرکات کی مرتکب ہوتی ہے اور بعد ازاں ساری خرابی اور انتشار کا الزام عوام پر دھر دیتی ہے۔ انہوں نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے اپیل کی کہ وہ مداخلت کریں اور پولیس کو حکم دیں کہ وہ اس پُرامن اجتماع میں کوئی مداخلت نہ کرے جو تنظیم اسلامی کسی پبلک پلیس پر نہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ حدود میں منعقد کر رہی ہے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا نقیب

غلبہ و اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کا حدی خواں

ماہنامہ **میثاق** لاہور

مدیر مسئول: ڈاکٹر اسرار احمد

قیمت فی شمارہ: 20 روپے سالانہ زرِتعاون (اندرونِ ملک) 200 روپے

مکتبہ خدام القرآن 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-35869501-042، فیکس: 042-35834000، email: maktaba@tanzeem.org

ترجمہ: محمد فہیم

اُمّتِ مسلمہ کے اندرونی اختلافات

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade

کا قسط وار اُردو ترجمہ

قومی ریاستوں میں اسلام کو قومیانے سے اس کے لیے یہ امر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ ریاست سے اپنی وفاداری کو ثابت کرے۔ مثلاً کویت میں اسلام کو کویتی شیوخ کو بچانا اور ان کی پالیسیوں کی تائید کرنا پڑے گی۔ اسی طرح سعودی عرب میں اسلام کے لیے بادشاہ کی طرفداری ایک ضروری امر بن جاتا ہے۔ ہر مسلم ملک کی مقتدر قوتوں کو بچانے کا عمل اسلامی مانا جائے گا۔۔ ہر مسلم ملک میں مذہبی علماء کی ایک فوج ظفر موج موجود ہوتی ہے جو بوقت ضرورت حکمرانوں کو اسلام کے نام پر بچانے کی خاطر قرآنی آیات اور احادیث کو دھڑا دھڑ درمیان میں لاتے رہتے ہیں۔ صورت حال اس وقت دلچسپ بن جاتی ہے جب دو مسلم مملکتوں کے مفادات باہم دیگر ٹکرا جائیں۔ ایسے میں ہر ریاست کے علماء کا اسلام کے نام پر اجتہاد دوسرے والے سے ضرور متصادم ہوتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی بجائے متعلقہ ریاست کے مفادات اُس کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

ہر ریاست کو اپنے مفادات کو مقدم رکھنا اور اپنے قومی مسائل حل کرنے کو ترجیح دینی ہوتی ہے، مثلاً خلیج کی پہلی جنگ کے موقع پر عراقی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کی مدد دینا عین کفری عمل تھا، جبکہ سعودی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کو بلانا اور ان کی مہمان نوازی کا عمل نہ صرف یہ کہ جائز تھا بلکہ فرض کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ وہ مطلوب صورت حال ہے جسے امت کو قومی ریاستوں میں منقسم کرنے والی قوتیں قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ وہ تماشا دیکھ کر کسی ایک کی طرف دار بن جاتی ہیں جبکہ مسلمان ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو جاتے ہیں کہ کون ان قوتوں کی "مہربانیوں" کا مستحق قرار پائے گا۔

امت کے متعدد ریاستوں میں منقسم ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب اسلام کو حکومت کے زیرِ سایہ پناہ لینی پڑتی ہے، اور بدلے میں چاکر بن کر اسے حکومتی ایجنڈے کی حمایت کرنی پڑتی ہے۔ مسلمانوں کی ترتیب اس طرز پر کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی بجائے اپنی متعلقہ ریاست کے حوالے سے سوچیں۔ حال ہی میں فرانسیسی اور امریکی مسلمانوں کے 'دہشت گردی' کے خلاف فتووں سے اس حقیقت کی مکمل نشاندہی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قرآنی احکام کی تعبیر وقت اور مقام کی تبدیلی کے ساتھ بدلی جاتی رہے گی تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے اسلام کی کتنی قسم جنم لیں گی؟۔ مسلمان ملکوں کے سیکولر طبقہ نے اس کا یہ حل نکالا ہے کہ سرے سے مذہب کو ریاستی معاملہ سے علیحدہ رکھا جائے، تو ابہام ہی باقی نہیں رہے گا۔ بظاہر حل تو اچھا ہے لیکن پھر پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا مسلمان پھر بھی مسلمان رہیں گے جب کہ وہ اسلام کو اپنی اجتماعی زندگی سے اٹھا کر پھینکیں گے؟

پس معلوم ہوا کہ مسلم دُنیا میں موجود ابہام اسلام کی غلط تعبیر سے نہیں بلکہ دراصل قومی ریاستوں کے در آنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مغربی نو آبادیاتی قوتوں نے مسلمانوں کے درمیان اتنی بڑی ریاستی دیواریں کھڑی کی ہیں کہ مسلمان عوام اور علماء کے لیے ان رکاوٹوں کو عبور کرنا بہت مشکل ہے۔ اپنے اپنے جھنڈے لہرانے اور قومی نشان رکھنے کے باوجود مسلمان بحیثیت امت اپنا تشخص نہیں رکھتے۔ یہ رکاوٹیں جتنی نفسیاتی ہیں اتنی ہی نظریاتی بھی ہیں۔ ایک صحیح اسلامی تشخص کو اپنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف قومی پس منظروں اور ستاون مسلم ریاستوں کے مرنے جینے کے نعروں کو ایک طرف رکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ یاد رہے کسی قوم کے مفاد کے لیے کام کرنے اور اسلام کے مفاد میں کام کرنے کے عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مسلم دُنیا میں کسی بھی فرد یا تنظیم کے لیے اس نام نہاد قومی مفاد کے بہاؤ کے مخالف سمت میں پیرائی نہ صرف بہت مشکل اور اعصاب شکن کام ہے بلکہ یہ تقریباً ناممکن العمل ہے۔ اس کے برعکس اسے موافق رُخ پر چلنا آسان بھی ہے اور خوش کن بھی اور اس طرح زیادہ سے زیادہ کامیابی ملنے کے مواقع بھی نکل آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ اسلام میں سیکولر نظام اور قومی ریاستوں کی تصور کی کوئی جگہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ عوامی نکتہ نظر کے خلاف مروجہ کارفرما ذہن پر قابو پانا اور مستحکم قومی نعروں اور ترجیحات کو نظر انداز کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

مسلمان ملکوں کے عوام قومی ریاستی تصور کے خول سے باہر کسی اور نظام کا سوچ بھی نہیں سکتے اور ان کی نظروں میں کسی دوسرے نظام کا زمینی حقائق سے سروکار ایک انہونی بات لگتی ہے۔ جوں جوں کوئی اسلامی اصولی موقف پر زیادہ سے زیادہ کاربند ہوتا جاتا ہے توں توں اسی تناسب سے اس کی عوامی قبولیت میں کمی آتی رہتی ہے۔ یہ نسبت باہم دیگر معکوس رہی ہے۔ ایسے میں بے لوث کام کرنے والی مذہبی قیادتوں کے لیے یہ امر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو درپیش چیلنجوں کو ان کے وسیع تر پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان کے لیے عوامی اعتماد کا حصول اور ان کے دل و دماغ کو جیتنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان عوامل کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ وہ قومی سطح پر کوئی قابل ذکر تاثر قائم کر سکیں۔

سب جانتے ہیں کہ رائے عامہ کو بنانے میں اہم ترین عوامل میڈیا، تعلیمی اداروں کے نصاب اور ذہنی تربیت کے مراکز ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمان ملکوں میں یہ ادارے روز اول ہی سے دن رات، قومیت، اور ریاست کے تصور کو اجاگر کرنے کے کام پر لگے آرہے ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے پیچھے کارفرما ایک ہی ذہن ہوتا ہے کہ حکومتیں تو بدلتی رہتی ہیں مگر ادارے جو رائے عامہ کو تشکیل دیتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں اور مسلسل کام میں لگے رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں حکومتوں پر کوئی دباؤ نہیں بڑھایا جاسکتا جب تک رائے عامہ آپ کے ساتھ نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے سامنے چیلنج ہی یہی ہے کہ رائے عامہ کو کیسے اپنے حق میں ہموار کیا جائے؟ اکثر حالات میں رائے عامہ کو تشکیل دینے والی قوتیں عوام کی نظروں سے پس پردہ رہتی ہیں۔ اور کا کیا کہنا خود ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی صدر اور کانگرس پس پردہ قوتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر کھیلتے ہیں۔ ان قوتوں کو عوام کبھی بھی نہیں پہچان سکتے ہیں۔

آج یہی ادارے یعنی تعلیمی نظام، میڈیا اور ذہنی تربیت کے ذرائع ہی وہ ہاتھ ہیں جو رائے عامہ، قومی مفاد،

قومی ضروریات، عوامی جذبات، عوامی رجحانات جیسی مقبول عام اصطلاحات کو وضع کرتے ہیں۔ یہی وہ قوتیں ہیں جو قومی جھولا بھی جھولتی ہیں اور دُنیا کے اوپر حکمرانی بھی کر رہی ہیں۔

مسلم دُنیا میں مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی جماعتیں اور تنظیم ہمیشہ رائے عامہ میں اپنی بقا اور ترقی کے لیے کوئی جگہ پانے کی متلاشی رہتی ہیں۔ کسی بھی فرد کو پھلنے پھولنے اور ترقی کے لیے عوامی جذبات اور رجحانات کے مطابق متبولیت ایک ضروری امر ہے۔ یہاں تک کہ لکھاریوں، کالم نگاروں اور سیاسی مبصرین کی کامیابی بھی غیر یقینی ہوتی ہے جب تک کہ ان کے خیالات ان نام نہاد قومی مفادات اور مروجہ مستحکم نظام کی ترجمانی نہ کرتے ہوں۔ حب الوطنی کے نعروں اور ضرب الامثال پر مبنی فہرست ایسی خوبصورتی کے ساتھ بنائی گئی ہوتی ہے کہ سیاسی یا مذہبی بندھن سے قطع نظر ہر کوئی کسی نہ کسی قسم کے نعروں کے ساتھ ہم آہنگی کی بنا پر قومی ریاستی نظام کے گن گاتے نظر آتا ہے۔ ایسے ماحول میں بہت کم مواقع ایسے رہ جاتے ہیں کہ جن میں اسلام یا تصور امت کے مطابق کام کرنے والا کوئی آدمی کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔ اور اگر کہیں کوئی فرد کامیابی حاصل کر سکے تو اس کی یہ کامیابی اس کے حوصلہ اور جدوجہد کے پیمانے کے حوالہ سے اس کی کوششوں کی مناسب ہوگی۔ بہرحال اسلام اور امہ کے لیے ایسی کوشش ان ناموافق حالات میں زیرو ہی رہتی ہیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جرأت کر کے کسی کرپٹ اور ظالم حکومت کے خلاف کھڑا ہو جائے۔ لیکن بدقسمتی سے عوام الناس کی ایک مخصوص طرز پر تشکیل دی جانے والی ذہنیت اور میڈیا کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور آڑے آئیں گے۔ رائے عامہ اور قومی ترجیحات ہمیشہ پس پردہ قوتوں کے اختیار میں ہوتی ہیں۔ ان پر لعن طعن کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ عامۃ الناس اصل حقیقت کے انکاری ہی رہتے ہیں۔ وہ ہاں میں ہاں ملا کر چلتے ہیں۔ یہ ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے اور اکیلے مسلمان ملکوں سے متعلق نہیں۔ چنانچہ نیشنل فریڈم فاؤنڈیشن کے بانی اور سربراہ یعقوب ہارن برگر کہتے ہیں ”عام امریکی شہری مدیروں کو خطوط لکھ سکنے اور کتابیں شائع کروانے کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ آزادی کے حامل قوم ہیں“۔ یہ دعویٰ حقیقت سے انکار کے مترادف ہے، فرض کریں کہ فراعنہ مصر کبھی یہ اعلان کرتے کہ آج سے غلاموں کو اپنی خراب حالت کے متعلق اپنے نگرانوں کو خطوط لکھنے کی اجازت ہے تو کیا اس سے ان علاقوں کو آزادی مل گئی ہوتی“؟ (یہی حال امریکیوں کا ہے)

> عراقی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کی مدد دینا عین کفری عمل تھا، جبکہ سعودی علماء کے نزدیک امریکی فوجوں کو بلانا اور ان کی مہمان نوازی کا عمل نہ صرف یہ کہ جائز تھا بلکہ فرض کا درجہ رکھتا تھا

جوہان وان گیٹ نے ایک دفعہ لکھا کہ مایوس کن حد تک غلام وہی لوگ ہوتے ہیں جو غلام ہوتے ہوئے اپنے آپ کو آزاد سمجھنے کی خبط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ امریکی سرکاری سکولوں میں جو ذہنی ترتیب دی جاتی ہے وہ غلامی کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سے انھیں ایک سخت ذہنی بیماری لاحق ہو جاتی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے پیمانے پر الکحل یا دیگر نشہ آور چیزوں کی لت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے اکثر مسلمان ممالک کے مسلمان بہت سارے امریکیوں جتنی آزادی کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ آزاد لوگ ”نہیں“ کہہ سکتے ہیں اور اپنے مسائل کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے اوقات اور اولاد کے لیے دوسروں کے بے جا مطالبات رد کر سکتے ہیں۔ غلام ایسا نہیں کر سکتے۔ آزاد لوگ ”نہیں“ کی آزادی کے بغیر آزادی کا کوئی تصور نہیں کر سکتے۔ اگر تم کسی کے حکم کے جواب میں ”نہیں“ نہ کہہ سکو تو پھر تو تم آزاد نہیں۔ تم غلام ہی سمجھے جاؤ گے اگر کسی کا حکم ٹال نہیں سکتے۔ جس چیز کو تم چھوڑنا نہیں چاہتے اور اس کے چھوڑنے پر تمہیں مجبور کیا جائے تو پھر آزادی کہاں؟ اس کے لیے کسی اور ٹسٹ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم ایسے مسلمان ملک میں ہو جس کی حکومت سے کسی دوسری حکومت نے آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کو قربان کرنے کے لیے کہا ہو اور تم اسے ”نہیں“ نہیں کہہ سکتے تو پھر تو تم غلام کے غلام ہو۔ یہ بالکل وہی قصہ ہے جو ایک مسلم ریاست پاکستان میں وقوع پذیر ہوا، جب 2001ء میں بُش نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا، ”ہمارے ساتھ یا ہمارے خلاف“ تو مشرف لرزاں و ترساں ہو کر انکار نہ کر سکا اور اس نے پہلے افغانستان اور بعد میں اپنے ملک پاکستان میں اپنے ہی بھائیوں کے قتل عام اور ان کے گھروں پر حملوں میں ”قومی سلیت“ کے نام پر بُش کی مدد کا بیڑا اُٹھایا۔

کسی مسلمان ملک میں قومی ایجنڈا اور ترجیحات کی موجودگی میں ایک علیٰحدہ اصولی موقف اپنانا ناممکن نہیں رہتا اور جب بات قومی حدود سے باہر امت کے مفاد یا بین الاقوامی سطح پر کسی تبدیلی سے متعلق ہو تو پھر تو معاملہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ 57 مختلف قومی ایجنڈوں اور مفاد کے بہاؤ کے مخالف سمت میں کام کرنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ زندہ رہنے اور صرف قومی دھارے میں شامل رہنے کے لیے بھی ہر قسم کے سمجھوتوں پر آدمی اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی جماعتوں اور تحریکوں کو اپنی منزل کے تعین میں خاصی دشواری کا سامنا ہے، کیونکہ بیک وقت قومی مفاد اور اسلام کے لیے کام کرنا ناممکن ہے۔ قومی دھارے میں رہنا ان لوگوں کیلئے ایک مصیبت بن جاتی ہے جو معاشرہ میں اسلامی اصولوں کے قیام کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے ایجنڈے کو بیرونی آقاؤں کے مقرر کردہ کٹھ پتلیوں کی خواہشات کے مطابق نرم کریں۔ یہ بات کسی فرد مثلاً تجزیہ کار پر جتنی صادق آتی ہے اسی طرح مذہبی جماعتوں اور تحریکات پر بھی صادق آتی ہے۔ ایسے لوگ جب اپنے ایجنڈے میں ”غیر ضروری نکات“ کا اضافہ کرتے ہیں تو وہ اسی وقت گردن زدنی کے قابل ہو کر قومی دھارے سے نکال باہر کیے جاتے ہیں۔ ان جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ سنجیدہ گفتگوؤں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے مسائل سے دوچار ہیں جن کی وجہ سے ان کا کام غیر مؤثر ہے اور منزل متعین نہیں ہو سکتی۔ ان کی ہمت اور ان کا حوصلہ یقیناً قابل قدر ہے لیکن ان کے طریقہ کار سے بہرحال اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر کسی فرد یا سیاسی پارٹی کو قومی دھارے میں رہنا ہے تو اسے اپنے اصول اور نظریات کو ہلکا سے ہلکا رکھنا ہوگا بصورت دیگر اسے وہاں رہنا ناممکن ہوگا۔ پاکستان میں تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس کی زندہ مثال ہیں، جن کو اسلامی اصولوں کی خاطر کنارے ہو کر mainstream سے علیٰحدہ ہونا پڑا ہے۔ قومی دھارے میں رہنے یا اس سے نکلنے کے آپشنز میں سے ہمیں ایک لینا ہوگا۔ ہمیں خوب اندازہ ہے کہ قومی دھارے میں رہتے ہوئے بھی لوگوں کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ اس کا برملا اظہار کم ہی کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

حلقہ سرحد شمالی کے مرکزی عاملہ کا دورۂ چترال

حلقہ سرحد شمالی کی مرکزی عاملہ کے باہمی مشاورت سے چترال کا دورہ 15 تا 18 اکتوبر کو رکھا گیا۔ دورہ کی اطلاع دو ہفتے قبل مقامی امیر ڈاکٹر اکرام اللہ کو دے دی گئی تھی۔ اس حلقہ کا شمالی حصہ ضلع چترال پر مشتمل ہے جو قدرتی مناظر اور امن کے لحاظ سے مثالی خطہ ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے ملنسار اور خوش اخلاق و خوش گفتار ہیں لیکن وہاں جانا جان جوکھوں کا کام ہے جس کی وجہ لواری ٹاپ کے بلند و بالا پر خطر پہاڑ اور دشوار راستہ ہے۔ لواری ٹنل جو عنقریب مکمل ہونے والی ہے، کی تکمیل کے بعد امید ہے کہ یہ راستہ بہت کم ہو جائے گا جس سے وقت اور پیسے کی بچت ہو گی۔ 5 افراد پر مشتمل قافلہ دفتر حلقہ تیمر گرہ ضلع دیر سے صبح پونے دس بجے روانہ ہوا اور رات ساڑھے سات بجے چترال پہنچا جس میں امیر حلقہ، ناظم حلقہ، ناظم دعوت، ناظم بیت المال اور بی بیوڑ تنظیم کے امیر ممتاز بخت شامل تھے۔ قافلہ میں شامل جملہ ذمہ داران کے قیام و طعام کا انتظام ڈاکٹر اکرام اللہ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

16 اکتوبر کو جمعہ کے خطاب کے لیے دو مساجد میں خطاب کا پروگرام طے کیا گیا تھا۔ ایک وہاں کی سرکاری شاہی مسجد ہے جس کے خطیب کا تقرر حکومت کرتی ہے، لیکن اس مسجد میں بوجوہ خطاب نہ ہو سکا، البتہ مکتبہ لگایا گیا، جس کے ذریعے علاقے کے کافی لوگوں تک تنظیم اسلامی کا پیغام پہنچا۔ دوسری جامع مسجد ہے جس میں خطاب جمعہ ”فرائض دینی کا جامع تصور“ کے عنوان سے ہوا۔ یہاں بھی کافی لوگ موجود تھے، جن میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ نماز مغرب کے بعد ناظم دعوت نے ایک اور مسجد میں بندگیٔ رب پر تقریباً 40 منٹ مؤثر اور مدلل خطاب کیا، جسے نمازیوں نے بہت پسند کیا۔

17 اکتوبر کو نماز فجر کے بعد دو مساجد میں درس قرآن ہوا۔ ایک مسجد میں ناظم دعوت فیض الرحمٰن نے بندگیٔ رب پر درس دیا۔ دوسری مسجد میں ممتاز بخت نے عظمت قرآن کے حوالے سے سورۃ الرحمٰن کا درس دیا۔ ناشتہ کے بعد ”فہم دین پروگرام“ رکھا گیا تھا جس میں رفقاء و احباب نے شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد امیر حلقہ نے موجودہ صورت حال کا خاکہ پیش کیا۔ دین کے جامع تصور پر ممتاز بخت نے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ دین کل ہے جبکہ مذہب اس کا جزو۔ اسلام مکمل نظام زندگی ہے جس میں انسانیت کی فلاح کا پورا پروگرام موجود ہے۔ ”رسول اللہ ﷺ کے طریقہ انقلاب“ پر گفتگو کرتے ہوئے فیض الرحمٰن نے بتایا کہ پیغمبر اسلامؐ نے انسانیت کو تاریکیوں سے نکالا اور ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ آپؐ کے طریقہ کو اپنا کر ہی ہمیں موجودہ گمراہیوں اور پریشانیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام انسانیت کی فطری آواز ہے جسے شیطان نے اپنے مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے دبا رکھا ہے۔ فاضل مقرر نے انقلاب کے دیگر طریقوں اور طریق محمدیؐ کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ کامیابی نبویؐ طریق میں ہے۔ یہ نشست نماز ظہر اور ظہرانے پر اختتام پذیر ہوئی۔ دوسری نشست دو تا ساڑھے چار بجے پر مشتمل تھی، جس میں پہلے راقم نے رفقاء کے سامنے نظام العمل میں دیے گئے اُسرہ اور تنظیم کی سطح پر اجتماعات کے انعقاد کی وضاحت کی اور نقباء پر زور دیا کہ وہ حلقہ قرآنی کے ذریعے یہ پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ تزکیہ و تربیت کے لیے تنظیمی و تربیتی اجتماعات میں بھر پور شرکت کریں۔ مطالعہ لٹریچر، انفاق اور انفرادی دعوت کا اہتمام کریں۔ اس پروگرام کا دوسرا حصہ نظام دعوت کے طریقہ کار پر مشتمل تھا، جسے ممتاز بخت صاحب نے بورڈ کی مدد سے بڑی عمدگی سے واضح کیا۔

18 اکتوبر کو بعد نماز فجر ہم چترال سے روانہ ہوئے۔ راستے میں عشریت کے مقام پر امیر حلقہ کے ایک دوست امین الحق کے پاس کچھ دیر ٹھہرے۔ موصوف سکول ٹیچر ہیں، جنہوں نے کافی آؤ بھگت کی۔ گفتگو کے دوران ان کو لٹریچر اور بانی محترم کی تقاریر کے کچھ کیسٹ دیے۔ ان کے بھائیوں اور ایک رشتہ دار جو وکیل ہیں، کو بھی لٹریچر دیا گیا۔ اور اُن سے رابطہ رکھنے کی درخواست کی گئی۔ شام پانچ بجے یہ قافلہ دفتر حلقہ تیمر گرہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور مقامی تنظیم چترال کے رفقاء کو توفیق دے کہ وہ اس پیغام کو آگے تمام چترال میں پہنچا سکیں۔ (رپورٹ: احسان الودود)

تنظیمی اطلاعات

حلقہ کراچی شمالی کی مقامی تنظیم اولڈ سٹی میں محمد رضوان کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ کراچی شمالی نے مقامی امیر اولڈ سٹی کراچی کے دو سال پورے ہونے پر نائب ناظم اعلیٰ اور اپنی سفارش کے ساتھ رفقاء کی آراء ارسال کیں۔ امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 15 / اکتوبر 2009ء میں مشورہ کے بعد جناب محمد رضوان کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ گوجر خان کی مقامی تنظیم میر پور میں فیاض اختر امیر مقرر

امیر حلقہ گوجر خان نے مقامی تنظیم میر پور میں تقرر امیر کے لیے اپنی تجویز کے ساتھ رفقاء کی آراء ارسال کیں۔ امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 29 / اکتوبر 2009ء میں مشورہ کے بعد جناب فیاض اختر میاں کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم لانڈھی میں ابوذر ہاشمی کا بطور امیر تقرر

امیر حلقہ کراچی جنوبی نے مقامی تنظیم لانڈھی میں تقرر امیر کے لیے نائب ناظم اعلیٰ اور اپنی تجاویز کے ساتھ رفقاء کی آراء ارسال کیں۔ امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 5 / نومبر 2009ء میں مشورہ کے بعد جناب ابوذر ہاشمی صاحب کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

دُعائے مغفرت کی اپیل

تنظیم اسلامی ڈیفنس کراچی کے رفقاء آصف جاوید، فیصل جاوید اور عزل جاوید کی والدہ وفات پا گئیں۔

قارئین ندائے خلافت سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اضافہ فون نمبر

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور

کے PTCL فون نمبر میں نئے نمبر 042-36293939 کا اضافہ ہو گیا ہے۔

رفقاء و احباب نوٹ فرما لیں۔

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم سید گھرانے کی 22 سالہ، بی اے، حافظہ، صوم و صلوٰۃ کی پابند بچی کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ برسر روزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-37916489 / 0334-9705010

☆ ایک دیندار گھرانے کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم میٹرک اور بیٹا، عمر 30 سال، تعلیم ایف اے کے لیے دیندار گھرانوں سے رشتے درکار ہیں۔

برائے رابطہ: 0321-4097677

God to lessen his problem. Everyone went down in deep thought. Then the saint spread out his hands for prayer and said, "O Allah! The pain of this man here is still a blessing due to the hidden rewards but we humans are very weak, and do not have the strength to bear this pain. Please turn his misery into the blessing of health!"

Prophets' lives hold great lessons for us. The story of Prophet Ayub (Job in Bible) pbuh is touching indeed where he did not lose his faith and hope in Almighty Allah's salvation in severe afflictions. He became critically ill for about eight years where a serious skin disease had impaired his whole body except his heart and brain. Allah made his heart free of the disease because that is where his faith lay and his brain was not affected so that his thinking capacity could function normally as before. Prophet Ayub (pbuh) was a steadfast worshipper of Allah and it was his test whether he continued to have trust in Allah or not! He proved to be resolute in his faith, and put up with the disease for eight years without complaining to Allah. Eventually, he was relieved from his pain and granted back his health in all glory apart from other blessings that had been taken away from him as a test.

Another story that continues to mesmerize over thousands of years is how Prophet Yusuf (Joseph) son of Prophet Yaqub (Jacob), braced one calamity after another with utmost patience. His step brothers were jealous of their father's love for him since he was the most handsome and also noblest in character. Hence he was sold as a slave to merchants from Egypt which became his homeland. He underwent severe trials in Egypt including being imprisoned for about eight years even though he was innocent. With Divine mercy, his fate turned around completely when he was eventually given a high authoritative position by the King of Egypt himself during serious spells of famine.

If we seriously contemplate, we can try to apply these prophetic traditions to our lives today. The lessons of patience and steadfastness make us never give up even in the toughest of situations and to never complain to the Almighty. The fact is that we tend to take good times in life for granted which outlast the bad spells in general. We are not thankful to Allah for His blessings then. Only if we have a consistent belief in Him and manifest our gratitude in the form of good deeds in both good and bad times can we have the strength to sustain low periods in life with comparative ease!

[This article is partially inspired from one of Justice Retd. Taqi Usmani's lectures]

PATIENCE IN HARDSHIPS

S Roman Ahsan reflects on the virtues of patience during adversities

Merry weather never lasts forever. Fragrance of flowers dies out in due time. Life is like that! There are several paths that cross our lives. Our limited human vision fails to make us foresee the final and ultimate significance of events that befall us. We let ourselves drift on the waves of life expecting little of the pitfalls that await us because we do not have knowledge of the unseen. Our inability to accept that life has its share of both joys and pains overlapping each other in phases make us fail to sustain misfortunes though it is the more sensitive amongst us who fall prey to pain. Only patience and strong faith in the Divine agency can deliver us out of the low periods in life.

It is not possible that life should not contain any sorrow, pain, affliction or calamity. This is due to the reason that there are three kinds of worlds. One is heaven which is the abode of peace and comfort, where there is not going to be any sorrow or pain. The second world is hell, where there would be complete misery with no comfort value. The third is this world which we live in that has both sorrows and joys. However a person might go through more hardships as compared to others for this is how Allah Almighty tests his loved ones. The proper moral values, steadfastness and patience a believer exhibits in the face of these hardships or trials determine his or her recompense both in this world and the hereafter. In this context a relevant verse from Holy Qur'an reads:

> "We will test you with a certain amount of fear and hunger and loss of wealth and life and fruits. But give good news to the steadfast: Those who, when disaster strikes them, say, We belong to Allah and to Him we will return. Those are the people who will have blessings and mercy from their Lord; they are the ones who are guided. (Al-Baqara, 155-157).

It is also due to these misfortunes that a man becomes tilted towards God or else a continuous happy life might make him arrogant like Pharaoh. A very fine allegory has been given by a scholar. He says that if we turn over a piece of paper and then try to straighten it, we will never be successful because a crease has been formed in its structure. We will have to turn it completely over to the opposite side for it to return to its original shape. The fact is that all hardships are basically trials from God Almighty to purify our souls from sins. We should never ask our Lord for these misfortunes but if they do occur then we should pray that they end quickly and bear them with grace. Apart from that, we should have firm belief that these afflictions are a source of our salvation in this world as well as in the Hereafter. This is what termed as patience and makes Almighty Allah shower His blessings on us. If we want to know whether a certain adversity is a punishment or a blessing from Almighty Allah, then we should check our attitude. If due to that adversity our bond with God is strengthened then it is in reality a blessing in disguise. On the other hand, if we find ourselves turning less towards God during a certain affliction then it means our Lord is not happy with us and is punishing us.

If a man faces a certain affliction, then by observing patience he/she can earn great rewards from the Almighty. Once a Sufi saint while addressing a group of people, said that there is no affliction which is in fact not a blessing. Then he saw that a leper was approaching the crowd whose hands and feet were badly affected due to the disease. The leper requested the saint to pray to